انتخاب مرزا شوق

مرتبہ:

شاہ عبدالسلام

اُتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات : ۱۰۳

انتخابِ کلام

نوّاب مرزا شوقؔ لکھنوی

مرتبہ

ڈاکٹر شاہ عبدالسّلام

اُترپردیش اُردو اکادمی لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

انتخاب کلام نواب مرزا شوق لکھنوی

مرتبہ

ڈاکٹر عبدالسلام

پہلا اڈیشن ۱۹۸۳ء

تعداد اشاعت ۱۰۰۰

قیمت ..... ۳/۵۰ روپے

عزیز الجبار خاں سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے بشاط پریس ٹانڈہ، فیض آباد میں چھپوا کر دفتر اتر پردیش اردو اکادمی قیصر باغ لکھنؤ سے شائع کیا

پیش لفظ

مرزا شوقؔ کی مثنوی "زہرِ عشق" کا شمار اردو کی چند ممتاز مثنویوں میں ہوتا ہے۔ اس میں معاشرے کے چند اہم گوشے محرکات و نتائج کے ساتھ سامنے لائے گئے ہیں، غالباً یہی سبب ہے کہ ہر دور میں جارحانہ تنقید کا ہدف اسے بنایا گیا لیکن امتدادِ وقت کے ساتھ اس کے حسنِ قبول میں اضافہ ہوتا گیا اور آج یہ ہماری ادبی تاریخ کا ایک لازمی جزو سمجھی جاتی ہے۔

شوقؔ نے "زہرِ عشق" کے علاوہ دوسری مثنویاں بھی لکھیں اور مختلف اصناف میں طبع آزمائی بھی کی لیکن اب ان کی تخلیقات آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ اکادمی ڈاکٹر شاہ عبدالسلام کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے اکادمی کی خواہش پر کلامِ شوقؔ کا جامع انتخاب مرتب کیا اور اس پر مفید معلوماتی مقدمہ لکھا۔ موصوف نے کلامِ شوقؔ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور حال ہی میں انھوں نے کلیاتِ شوقؔ کو بھی مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔ اُمید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی حسنِ قبول حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین
مجلسِ انتظامیہ

اترپردیش اردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
۳ر فروری ۸۳ء

نوّاب مرزا شوقؔ لکھنوی

حکیم تصدق حسین خاں عرف نوّاب مرزا شوقؔ لکھنوی ۱۷۸۳ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے[1]، دادا کا نام آغا علی خاں اور چچا کا نام مرزا علی خاں تھا، یوں تو شوقؔ کا پورا خاندان ہی حکمت و طبابت میں مشہور تھا لیکن ان کے چچا مرزا علی خاں لکھنؤ کے مشہور طبیبوں میں تھے اور شاہانِ اودھ کے دربار میں ایک بڑے عہدے پر مقرر تھے۔ بادشاہ کی طرف سے انھیں "حکیم الملک" کا خطاب بھی ملا تھا۔

شوقؔ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اس کے بعد اپنے عہد کے مشہور و معروف اساتذہ کی تعلیم اور فیضانِ صحبت سے مختلف علوم میں مہارت حاصل کی، علم طب اور حکمت پر بھی پورا پورا عبور حاصل کیا۔ آغا حجو شرفؔ نے شوقؔ لکھنوی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے ؎

سرافراز نوّاب مرزا حکیم — معالج یہ ہیں بادشاہی قدیم
حقیقت میں عیسیٰ ثانی یہ ہیں — بڑے نامور خاندانی یہ ہیں
علاجوں کا عالم میں افسانہ ہے — مطلب ان کا جو ہے شفاخانہ ہے
سمجھتے ہیں عیسیٰ جو بیمار ہیں — اسی طرح کے تجربہ کار ہیں
یہ عہدِ خلافت میں کامی رہے — ہمیشہ عمائد میں نامی رہے
یہ شاگرد آتشؔ کے ہیں نامور — ظریف و جہاں آشنا خوش سیر

---

[1] تذکرہ شوقؔ، عطاء اللہ پالوی ص۴۰

قضا کی جو عبرت سے رہتے ہیں سست مریض ایسے ایسے کیے تندرست[2]

مندرجہ بالا اشعار سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شوق پیشۂ طبابت اختیار کیے ہوئے تھے اور نہ صرف شاہی معالج تھے بلکہ اپنا مطب بھی کرتے تھے۔ اور ان کے مطب کا ہر طرف شہرہ تھا۔

شوق لکھنوی نے جب ہوش سنبھالا تو لکھنؤ میں ہر طرف شعر و سخن کی محفلیں آراستہ تھیں اور پورا شعری ماحول ایک خاص رنگ شاعری میں ڈوبا ہوا تھا۔

انشاء، مصحفی اور جرأت جیسے اساتذہ کی محفلیں اور معرکے اکھڑ چکے تھے اور نئے دست و بازو اور نئے ذہن کے ساتھ ناسخ و آتش جیسے اساتذہ کا اکھاڑا جما ہوا تھا، ایک طرف تلامذۂ ناسخ اور دوسری طرف شاگردانِ آتش اپنے اپنے استادوں کی سرپرستی میں معرکے منظم کرنے اور اپنی اپنی برتری منوانے میں کوشاں و سرگرداں تھے۔ شوق بھی ماحول سے متاثر ہو کر شعر گوئی کی طرف رجوع ہوئے اور مشقِ سخن کرنے لگے۔ اپنے دور کے اساتذہ میں خواجہ آتش کا رنگ پسند آیا اور انھیں کی شاگردی اختیار کر لی۔ ابتدا میں صنفِ غزل میں طبع آزمائی شروع کی مگر کوئی خاص کامیابی نہ حاصل ہوئی۔ آخر کار غزل کو ترک کر کے مثنوی کی طرف رجوع ہوئے اور اپنی تین معرکۃ الآرا مثنویاں فریبِ عشق، بہارِ عشق اور زہرِ عشق تصنیف کیں، جو شوق کی بقائے دائم کا سبب بنیں۔

شوق لکھنوی پوری زندگی لکھنؤ میں رہے، مؤلف تذکرۂ شوق کا بیان ہے کہ شوق کے مکان وکٹوریہ اسٹریٹ پر واقع اس محلے میں تھا جو اب پرانا بزازہ کہلاتا ہے۔ یہ مکان شارع پر واقع تھا۔ زنانہ حصہ الگ تھا اور مردانہ حصہ الگ۔ شوق آخیر عمر تک اسی

---

[1] مثنوی افسانۂ لکھنؤ ص ۱۸ از آغا حجو شرف۔ اشرف جو شوق کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۲ء میں یہ مثنوی مٹیا برج میں لکھی تھی۔

مکان میں قیام پذیر رہے اور پھر ایک دن پیام اجل آ پہنچا اور ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ مطابق ۳۰ جون ۱۸۷۱ء بروز جمعہ لکھنؤ میں ہی ۸۸ سال کی عمر میں اس سرائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

کلام: شوق کو ان کی مثنویات کی وجہ سے ہی بقائے دوام حاصل ہوئی۔ اصل میں یہی مثنویاں ان کا سرمایۂ حیات ہیں۔ مثنویوں کے علاوہ ان کا کلام کیا اور کتنا تھا؟ اس کے متعلق صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا ہے۔ متفرق اشعار، چند غزلیں اور ایک واسوخت اب تک دستیاب ہوئے ہیں۔ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا کے مصنف نے شوق کو صاحب مسدس و خمسہ بھی کہا ہے مگر ان کا کوئی مسدس یا خمسہ نہ تو دستیاب ہی ہوا ہے اور نہ ہی کسی دوسری کتاب یا تذکرے میں ہی اس کا حوالہ ملتا ہے گویا ابھی تک شوق کا دستیاب شدہ مکمل کلام حسب ذیل ہے۔

(۱) چند غزلیں اور متفرق اشعار (مجموعی اکسٹھ اشعار)

(۲) ایک واسوخت

(۳) مثنوی فریب عشق (۱۸۴۶ء)

(۴) مثنوی بہار عشق (۱۸۴۷ء)

مثنوی زہر عشق (۱۸۶۲ء)

غزلیات: شوق نے غزلیں بھی کہی ہیں مگر برائے نام۔ ان کا کوئی مکمل قلمی یا مطبوعہ دیوان آج تک دستیاب نہیں ہوا۔ گمان ہوتا ہے کہ شوق نے شاید کوئی دیوان بھی مرتب کیا ہو مگر چونکہ ان کی غزلیات کا کوئی مرتبہ نہ تھا اس لئے ان کی قدر نہ ہو سکی اور وہ سارا کلام ضائع ہو گیا۔ متفرق اشعار جو مختلف تذکروں میں شامل کر دیے گئے تھے وہی محفوظ رہ سکے۔ راقم الحروف نے تلاش کر کے مجموعی طور پر اکسٹھ ۶۱ اشعار ڈھونڈھ نکالے ہیں جو "کلیات نواب مرزا شوق لکھنوی" میں شائع ہو چکے ہیں

واسوخت: شوق نے اکتالیس ۴۱ بندوں پر مشتمل ایک واسوخت بھی کہا ہے یہ واسوخت کتاب "شعلۂ جوالہ" حصہ دوم مرتبہ فدا علی عیش ص ۴۳ پر اور مثنوی "فریبِ عشق" مطبوعہ ۱۲۷۳ھ کے ص ۲۲ پر درج ہے۔ شوق کا رنگ غزلیات کے مقابلہ میں واسوخت میں زیادہ نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ بندش کی چستی اور طبیعت کی روانی اچھی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔ پورا واسوخت قابلِ تحسین ہے۔

مثنویات: شوق لکھنوی نے صرف تین ہی مثنویاں "فریبِ عشق" "بہارِ عشق" اور "زہرِ عشق" تصنیف کیں، لیکن بعد کو بعض مفاد پرست حضرات نے چند مثنویاں اور ان کے نام سے منسوب کر دیں۔ جن میں "لذتِ عشق" "خنجرِ عشق" "سوزِ عشق"، "قہرِ عشق" وغیرہ بہت مشہور ہیں بعض مشہور اہلِ قلم حضرات نے بھی مثنویاتِ شوق کی تعداد کے سلسلہ میں دھوکا کھایا ہے۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے دبستانِ لکھنؤ میں شوق سے چار مثنویاں منسوب کی ہیں۔ (۱) فریبِ عشق (۲) بہارِ عشق (۳) زہرِ عشق (۴) لذتِ عشق۔ مولانا حالی نے بھی مقدمہ شعر و شاعری میں یہی چاروں مثنویاں شوق کی تصانیف بتائی ہیں۔

نولکشور پریس نے ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۱ء میں انھیں چاروں مثنویوں کا مجموعہ شائع کر کے اس غلط فہمی کو تقویت پہنچائی کہ شوق نے چار مثنویاں تصنیف کیں، اسی طرح شوق کی مثنویوں کی تعداد کے سلسلہ میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ اور اکثر حضرات شوق کی چار مثنویوں کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ امداد امام اثر نے کاشف الحقائق میں، حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں اور فراق گورکھپوری نے اردو کی عشقیہ شاعری میں شوق کی چار مثنویاں "زہرِ عشق" "فریبِ عشق"، "بہارِ عشق" اور لذتِ عشق ظاہر کی ہیں۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ شوق نے صرف تین مثنویاں (۱) فریبِ عشق (۲) بہارِ عشق اور (۳) زہرِ عشق ہی تصنیف کی ہیں، راقم الحروف نے اپنے مرتب شدہ نسخے "کلیاتِ نواب مرزا شوق لکھنوی" میں اس موضوع پر مدلل اور سیر حاصل بحث کر کے یہ بات ثابت کر دی

ہے کہ شوق نے صرف تین مثنویاں فریب عشق، بہار عشق، زہر عشق ہی لکھی ہیں، بقیہ لذت عشق یا کوئی اور دوسری مثنوی شوق کی تصنیف نہیں ہے۔

(۱) **فریب عشق**:- یہ شوق لکھنوی کی سب سے پہلی مثنوی ہے جسے انہوں نے ۱۸۴۶ء میں مکمل کیا۔ اس مثنوی میں چار سو اٹھائیس (۴۲۸) اشعار ہیں۔ اس مثنوی کا سب سے قدیم (دستیاب شدہ) اڈیشن ۱۲۷۲ھ میں مطبع فیضی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۶۹ء میں مثنویات شوق کے نام سے نولکشور نے دوسرا اڈیشن شائع کیا تھا۔ پوری مثنوی میں رکاکت اور ابتذال نام کو نہیں ہے بیگماتی زبان اور محاوروں کو نہایت ہی صحت اور صفائی سے پیش کیا گیا ہے۔ انداز بیان آسان اور سادہ ہے اگرچہ شوق کی اس مثنوی کو زیادہ شہرت حاصل نہ ہو سکی مگر راقم کی رائے میں یہ زہر عشق یا بہار عشق سے کسی طرح کم نہیں ہے، زبان و محاورات کی جو پاکیزگی اور خوبی ہم کو اس مثنوی میں ملتی ہے، شاید زہر عشق، بہار عشق میں نہیں بحیثیت مجموعی شوق کی یہ مثنوی بلند پایہ کی ہے۔

(۲) **بہارِ عشق**:- شوق کی دوسری مثنوی بہار عشق ہے۔ اسے شوق نے ۱۸۴۷ء میں مکمل کیا۔ اس مثنوی میں آٹھ سو بیالیس (۸۴۲) اشعار ہیں اور اس کے بہت سے اڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں جن میں مندرجہ ذیل نسخے مستند قرار دیے جا سکتے ہیں۔

۱- بہارِ عشق۔ مطبوعہ سلطان المطابع ۱۲۶۶ھ صفحات ۴۲

۲- " باتصویر۔ مطبع محمدی کان پور ۱۲۶۸ھ صفحات ۴۲

۳- " " مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۹ھ۔

۴- " مطبع علوی ۱۲۷۷ھ

۵- " مطبوعہ امی شجرۃ البنہ ۱۲۸۸ھ۔ صفحات ۱۶

شوق کی یہ مثنوی بھی واجد علی شاہ کے عہد کی تہذیب و معاشرت کا صحیح

نقشہ پیش کرتی ہے۔ اس دور کی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو شوق نے اپنی اس مثنوی میں پیش کیا ہے۔ شوق نے ان فطری رموز کا ذکر بھی کھلم کھلا کر دیا ہے۔ جن کا ذکر اشارے اشارے میں ہونا چاہیئے تھا۔ کھلے لفظوں میں نہیں۔ شاید اسی لئے یہ مثنوی شوق کی دیگر مثنویوں سے زیادہ بدنام ہوئی! اور پروفیسر خواجہ احمد فاروقی یہ الفاظ لکھنے پر مجبور ہوئے۔

— "بہار عشق پر خروش جنسی رجحانات کی لذت فزا کہانی ہے جو صرف زبان کے اعتبار سے اہم ہے اس میں نہ قصے کی دلآویزی ہے، کردار کی بلندی نہ کوئی تدریجی ارتقاء ہے" "ذوق و جستجو"

دوسری جگہ فاروقی صاحب اس طرح رقم طراز ہیں:

— "جتنی یہ داستان عریاں اور غیر تہذیب ہے اتنی ہی اس کی زبان شستہ، رفتہ، سادہ اور بے تکلف ہے۔ روانی اور صفائی کا یہ عالم ہے جیسے شفاف پانی کا چشمہ پہاڑ کے دامن سے ابل رہا ہے، جو بندش ہے۔ وہ چست، جو محاورہ ہے وہ درست، جو لفظ ہے وہ برمحل —"

"ذوقِ جستجو"

راقم کی رائے میں بہار عشق اگر زہر عشق سے بہتر نہیں ہے تو کم تر بھی نہیں ہے، اگر زہر عشق شوق کا شاہکار ہے تو بہار عشق بھی کسی شاہکار سے کم نہیں۔ شوق کے کمال کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ پوری مثنوی بغور پڑھی جائے۔ مشہور ادیب مجنوں گورکھپوری نے ان الفاظ میں بہار عشق کو سراہا ہے:

— "جہاں تک الفاظ کی سلاست، الفاظ کی ترتیب اور محاورات کے رکھ رکھاؤ کا تعلق ہے، بہار عشق کو شوق کی ہر مثنوی پر فوقیت حاصل ہے۔" (زہرِ عشق مجنوں ایڈیشن ۱۹۲۰ء)

۳۔ **زہرِ عشق**: زہرِ عشق نواب مرزا شوق کی تیسری اور آخری مثنوی ہے یہ مثنوی غالباً ۱۸۶۰ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان مکمل ہوئی۔ نظامی بدایونی نے زہرِ عشق کا سالِ تصنیف ۱۲۷۷ھ قرار دیا ہے۔ اس مثنوی میں مجموعی طور پر پانچسو چھیاسٹھ (۵۶۶) اشعار ہیں۔ اس مثنوی کے بہت سے ایڈیشن اب تک منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ سب سے قدیم ایڈیشن کا "حوالہ" گارساں دتاسی" کے اٹھارہویں خطبے میں ملتا ہے۔ گارساں دتاسی نے ۱۸۶۲ء کا مطبوعہ بتایا ہے۔ غالباً سب سے پہلا ایڈیشن یہی ہوگا مگر آج تک مذکورہ نسخے کا منظرِ عام پر آنا ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد مطبع نول کشور کا نسخہ ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا پھر تو زہرِ عشق کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ پچاسوں ایڈیشن چھپ کر بازار میں آ گئے اور مفاد پرستوں نے اس کے متن کی صحت کا بھی خیال نہیں رکھا اور اس میں بہت سے اشعار گھٹا بڑھا کر پیش کئے اور بعض نے تو پوری پوری مثنوی شوق سے منسوب کر کے چھپوا ڈالا جس کا شوق سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

اس مثنوی کی شہرت باذوق حضرات ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اس دور کی تھیٹر کمپنیوں نے اس کو ڈرامے کی شکل دے کر بہت ہی مؤثر انداز میں جگہ جگہ پیش کیا۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ ایک بار لکھنؤ میں کسی تھیٹر کمپنی نے اس مثنوی کو ڈرامے کی صورت میں پیش کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک لڑکی نے اس عشقیہ داستان سے متاثر ہو کر خودکشی کر لی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتِ ہند نے اس کو اسٹیج پر پیش کرنے کی ممانعت کر دی اور اس کے مضامین عریاں قرار دے کر اس کی طباعت اور اشاعت پر بھی پابندی عائد کر دی لیکن اس کی طباعت بند ہونے کے باوجود اس کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ لوگ اپنے ہاتھ سے اس نسخے کو نقل کر کے اپنے پاس رکھتے اور پڑھ کر لطف اندوز ہوتے تھے۔

اس کے بعد پھر ۱۹۱۹ء میں اس مثنوی کی طباعت پر لگی پابندی اٹھالی گئی اور

حکم امتناعی منسوخ ہوگیا۔ پابندی ختم ہوتے ہی سب سے پہلے نظامی بدایونی نے ۱۹۱۹ء میں ایک عمدہ ایڈیشن مطبع نظامی سے شائع کیا۔ اور دوبارہ ۱۹۲۰ء میں اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں مجنوں گورکھپوری صاحب نے زہر عشق کا ایک نہایت عمدہ ایڈیشن ایک طویل مقدمے کے ساتھ شائع کیا جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور احسن لکھنوی کا مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

راقم الحروف نے شوق کا تمام مجموعہ کلام یکجا کر کے "کلیات نواب مرزا شوق لکھنوی" کے نام سے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ حال ہی میں نئی دہلی کے ڈی۔ کے پبلیکیشنز نے راقم الحروف کا کیا ہوا زہر عشق کا انگریزی ترجمہ مع اردو متن کے خوبصورت آفسٹ پر شائع کیا ہے۔ مختصر یہ کہ زہر عشق شوق لکھنوی کا وہ شاہکار ہے جس کی شہرت اور مقبولیت لازوال ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زہر عشق کو جتنی شہرت حاصل ہے، اتنی شہرت اردو کی کسی اور مثنوی کو حاصل نہ ہوسکی۔ خواجہ احمد فاروقی صاحب زہر عشق کی بلند پائگی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "مثنوی زہر عشق اردو شاعری میں زبان و بیان، سیرت نگاری، نفسی واردات اور اپنے حیاتی رنگ کے اعتبار سے بڑی مکمل چیز ہے، اس میں لکھنؤ کے زوال پذیر ماحول کی اچھی ترجمانی کی گئی ہے اور اس موقع میں جتنی تصویریں ہیں وہ صاف اور روشن ہیں۔"

مجنوں گورکھپوری صاحب اس مثنوی کے بارے میں کہتے ہیں:

> "زہر عشق کو اردو ادب میں وہی مرتبہ دینا چاہیے جو جرمن فلسفی فسانہ نگار گوئٹے کے SORROW OF WERTHER کو

کو ملا ہے ..... اثر کے اعتبار سے دونوں ایک
پائے کی چیزیں ہیں۔"

پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں:

"لکھنؤ کی بہترین مثنوی گلزار نسیم بتائی جاتی ہے مگر میرے
خیال میں شوق کی مثنوی زہر عشق کو یہ درجہ دینا چاہیئے لکھنؤ کی
ساری مثنویوں میں سب سے زیادہ روشن اور تھرتھراتی
ہوئی تصویریں شوق کی مثنویوں میں ملتی ہیں۔"

"نگار سالنامہ ۱۹۵۰ء"

غزلیات

دیکھ لیتا ہوں جو میں اس گل کے پیارے ہاتھ پاؤں
بے خودی سے بھول جاتے ہیں ہمارے ہاتھ پاؤں

قاصدا! یہ یاد رکھنا ان کی صورت کا پتا
بھولی بھولی شکل ہے اور پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

شوخیاں کرتے ہو، چل نکلے ہو تم حد سے سوا
باندھیں گے مہندی لگا کر ہم تمھارے ہاتھ پاؤں

پشتِ دست و پا میں عکسِ رو نظر آتا ہے صاف
کیوں نہ وہ خود میں ہو آئینہ میں سارے ہاتھ پاؤں

ہر گھڑی ہم بھی اکڑ کر آئینے میں دیکھتے
گر تمہارے سے کہیں ہوتے ہمارے ہاتھ پاؤں

پاؤں پر گرنے سے بھی جب وہ نہ آیا میرے ہاتھ
پیٹے، کاٹے، جھٹکے، پٹکے، دے دے مارے ہاتھ پاؤں

ذبح کے ہنگام کیوں کر مجھ سے تڑپا جائے گا
سنتا ہوں وہ آپ پکڑیں گے ہمارے ہاتھ پاؤں

غیر کے گھر میں رہو کوئی وہاں ہو کہ نہ ہو
تمہیں بتلاؤ بُرا دل میں گماں ہو کہ نہ ہو

وہ سُنے یا نہ سُنے دل میں تو حسرت نہ رہے
مثل نے نالہ کروں منہ میں زباں ہو کہ نہ ہو

باغ کی سیر کو اغیار اکیلا لے جائیں
تمہیں منصف ہو یہ سنکر خفقان ہو کہ نہ ہو

دود آہ دل عاشق کا تعجب کیا ہے
دل جلے سینے میں بتلاؤ دھواں ہو کہ نہ ہو

نزع کا وقت ہے وہ آئے ہیں دل کچھ کہہ لے
پھر خدا جانے قابو میں زباں ہو کہ نہ ہو

ضعف سے گو نہیں طاقت ہے پہ گرتے پڑتے
گھر تلک ان کے چلو تاب و تواں ہو کہ نہ ہو

خوش چشم ہے تو، تجھ سے زمانے کی لڑی آنکھ
کس کس کی تری آنکھ کے اوپر پڑی آنکھ

جب آنکھ سے اس ترک ستمگر کی لڑی آنکھ
نرگس پہ پڑی آنکھ نہ آہو پہ پڑی آنکھ

چیتے کی کمر سے کمر یار ہے نازک
اور دبدۂ آہوئے حرم سے ہے بڑی آنکھ

کیا آئینے کا منہ ہے کہ ہو اس کے مقابل
فولاد بھی ہو نرم جو دکھلائے کڑی آنکھ

گل برگ ہیں لب، سیب ذقن، بال ہیں سنبل
چھوٹا ہے دہن، غنچہ نرگس سے لڑی آنکھ

بے یار گیا ہوں جو کبھی سیر چمن کو
کانٹا سا چبھا دل میں اگر گل پہ پڑی آنکھ

جل جل کے دھواں نکلا ہے پہروں ترے دیں میں
زلفوں کے تصور میں جو سنبل پہ پڑی آنکھ

وہ بھی ہے کوئی حسن جسے صورت تصویر
حیراں نہ رہے دیکھ کے دو چار گھڑی آنکھ

دم لینے کی بھی رونے سے فرصت نہیں ملتی
دیکھا ہے تجھے کیا یار! مصیبت میں پڑی آنکھ

ہرگز نہ کرے پھر گل سوسن کا نظارہ
اے حورو! جو دیکھے تری سستی کی دھڑی آنکھ

نالے جو ہوئے کم تو ہوئی شدتِ گریہ
صحت ہوئی گر دل کو تو بیمار پڑی آنکھ

صورت جو تری صانعِ قدرت نے بنائی
یاقوت کے لب رکھے تو نیلم کی جڑی آنکھ

ہے حسنِ خداداد کی اک یہ بھی کرامات
دکھلائی تری چھوٹے سے سن میں یہ بڑی آنکھ

منظور تھا اے حور! نہ دیکھوں تجھے لیکن
انسان جو تھا رہ نہ سکا جا پڑی آنکھ

دیکھا نہ کرو میری طرف آنکھ دبا کر
ناقص ہوا چہرہ جو ہوئی چھوٹی بڑی آنکھ

اک ایک سے دل چسپ ہے جو عضوِ بدن ہے
وہ رہ گئی پھر دل وہیں جس جا پہ پڑی آنکھ

نظارہ کیا شوق نے اس چشم کا جب سے
نرگس پہ پڑی آنکھ نہ آہو پہ پڑی آنکھ

○

نزع میں بھجوائے شاید وہ تمنا نامہ
بدلے یاسین کے پڑھنا مرے اوپر نامہ

راستہ بند ہے آنے کا عدم سے ورنہ
آشنا دوست کوئی لکھتا مقرر نامہ

ان کو اس سادہ مزاجی پہ بھی سوجھی ہے ہنسی
سارے مکتوب میں لکھا ہے مگر سر نامہ

صدقے اس طفلِ مزاجی کے جو قاصد نے دیا
بحر میں پھینکدیا ناؤ بنا کر نامہ

میں تو بدنام ہوں وہ بھی کہیں بدنام نہ ہوں
قاصد اس واسطے لکھا نہیں ہے سر نامہ

یہ نئی چھیڑ ہے لکھا ہے کہ پہونچا دینا
غیر کے خط پہ مرے نام کا ہے سر نامہ

اب تو خط لکھتے بھی اس شوخ کو میں ڈرتا ہوں
راہ میں کھول کے پڑھ لیتے ہیں اکثر نامہ

○

کہنے میں نہیں ہیں وہ ہمارے کئی دن سے
پھرتے ہیں انھیں غیر ابھارے کئی دن سے

جلوے نہیں دیکھے جو وہ تمہارے کئی دن سے
اندھیر ہے نزدیک ہمارے کئی دن سے

عشاق سے ہے کوچۂ معشوق میں میلا
رستہ نہیں ہے بھیڑ کے مارے کئی دن سے

بے صبح نکلتا نہیں وہ رات کو گھر سے
خورشید کے انداز ہیں سارے کئی دن سے

ہم جان گئے، آنکھ ملاؤ نہ ملاؤ
بگڑے ہوئے تیور ہیں تمہارے کئی دن سے

آخر مری آہوں نے اثر اپنا دکھایا
گھبرائے ہوئے پھرتے ہو پیارے کئی دن سے

کس کشتۂ کامل کا رکھا سوگ مری جان
گیسو نہیں کیوں تم نے سنوارے کئی دن سے

کس چاک گریباں کا کیا آپ نے ماتم
کپڑے بھی نہیں تم نے اتارے کئی دن سے

دیوانہ ہے، سودائی ہے فرماتے ہیں اکثر
ان ناموں سے جاتے ہیں پکارے کئی دن سے

دل پھنس گیا ہے آپکی زلفوں میں ہمارا
ہیں بندۂ بے دام تمہارے کئی دن سے

پامال کرو گے کس دارفتہ کو اپنے
اٹکھیلیاں ہیں چال میں پیارے کئی دن سے

اک شب مرے گھر آن کے مہمان رہے تھے
آتے نہیں اس شرم کے مارے کئی دن سے

منہ گال پہ رکھ دیتے ہیں سوتے میں جھپٹ کر
کچھ کچھ تو حیا کم ہوئی بارے کئی دن سے

مہندی بھی ہے، مسّی بھی ہے، لاکھ بھی ہے لب پر
کچھ رنگ ہیں بے رنگ تمہارے کئی دن سے

ڈر سے تری کاکل کے کہیں چلتے ہیں رستے
دم بند ہیں اس سانپ کے مارے کئی دن سے

پھر شوق سے کیا اس بتِ عیار سے بگڑی
ہوتے نہیں باہم جو اشارے کئی دن سے

○

متفرق اشعار

خیر سے موسمِ شباب کٹا
چلو اچھا ہوا عذاب کٹا

گئے، جو عیش کے دن ہیں شباب کیا کرتا
لگا کے جان کو اپنی عذاب کیا کرتا

چمن میں شب کو گھرا ابر تو بہار رہا
حضور! آپ کا کیا کیا نہ انتظار رہا

آپ کی گر مہربانی ہو چکی تو ہماری زندگانی ہو چکی

بیٹھ کر اٹھے نہ کوئے یار سے انتہائے ناتوانی ہو چکی

ہنس دیئے رونے پہ وہ اے چشم تر ابر و اشکوں کی پانی ہو چکی

○

واسوخت

وہ بھی کیا دن تھے کہ تم شوخ جفا کار نہ تھے تیغ ابرو کی طرح خلق کے خونخوار نہ تھے
سر مو مثلِ سرِ زلف دل آزار نہ تھے شوخ تھے، گرم تھے، اس طرح کے طرار نہ تھے
صورتِ برق جو رخسار چمک جاتے تھے
اپنے سائے سے بھی تم آپ جھجک جاتے تھے

نہ تھے عیار، مکار، نہ تھے عربدہ جو نہ الجھ پڑنے میں تھی کیسوئے خم دار کی خو،
پیچ کی بات سمجھتے تھے نہ ہرگز سرِ مو جو نہ کہنا تھا وہ کہتے تھے تمہارے بر رو،
واقفِ رمز و کنایہ نہ مری جان تھے تم
سیدھی الٹی نہ سمجھتے تھے یا نادان تھے تم

ذکر کل کا ہے سمجھتے نہ تھے کچھ بات ذرا وضع البیلی تھی، ہر بات میں الہڑ پن تھا
خود نمائی کا حاصل تھا طبیعت کا مزا چال سیدھی تھی نہ تھا اتنا دوپٹہ ٹیڑھا

بالیاں پہنیں گے رہتے تھے ان ارمانوں میں
نیلے ڈورے تھے فقط پہنے ہوئے کانوں میں

یاد بھی اب تو نہ ہووے گا وہ تم کو زلہنا
ناک میں نیم کا تنکا نہ وہ جوبن کا ابھار
آستینوں کی کھنچی کرتی وہ بازو تیار
بے گلے ہنسی کے وہ دانت و آغاز بہار

وہ ہر اک بات میں اٹھلانا وہ البیلا پن
وہ دبی بات، وہ لجیانی تمہاری چتون

دیکھنے والے تو ہم بھی ہیں ترے اس سن کا
ایک دو میں کبھی چار آنکھ نہ تم کرتے تھے
شوخ چشمی تھی طبیعت میں مگر پہلے سے
"چشم بد دور ہو" تھے جتنے یہی تھے کہتے

جان عشاق پہ شوخی تری آفت ہو گی
اب تو فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہو گی

چل بچل تھے نہ ٹھہرتے تھے گھڑی بھر اک جا
کھیل اور کود میں رہتا تھا تو اے ماہ لقا
رشک سیارہ تھا تعویذ ہر اک ہیکل کا
طوق گردن میں رہا کرتا تھا منت کا پڑا

بہت پہنے ہوئے چھاگل کے چھڑے پھرتے تھے
پانچے پکڑے ہوئے دوڑے پڑے پھرتے تھے

آگے ہر بات میں اس طرح کے چالاک نہ تھے
صید دل اتنے ترے بستۂ فتراک نہ تھے
حسن تھا طالب آرائش پوشاک نہ تھے
شرم ہر بات میں آجاتی تھی بے باک نہ تھے

عطر دولہن کا نہ اس طرح ملے رہتے تھے
بند محرم کے نہ یوں آگے کھلے رہتے تھے

آگے پٹے کبھی یوں تم نے نکالے کب تھے
چاند سے چہرے پہ یوں گیسو کے ہالے کب تھے
صدف گوش میں یوں موتی کے بالے کب تھے
بندے اس طرح کبھی کانوں میں ڈالے کب تھے
آگے بالی میں نہ مچھلی کو لٹکتے دیکھا
برق کی طرح نہ بجلی کو چمکتے دیکھا

کوراپنڈ اتھا پہنتے تھے نہ پھولوں کے ہار
عطر ملنے کا نہ تھا اذن بدن پر زنہار
چاند سورج شب نگیو میں نہ تھے لیل و نہار
سادگی وضع میں تھی تھی نہ یہ طرز گفتار
چال سیدھی کے سوا ٹیڑھی نہ چل سکتے تھے
حکم مسی کا نہ تھا مہندی نہ مل سکتے تھے

چشم بد دور تری چشم غزالی کب تھی
ٹیڑھی بھوں رہتی تھی پر اتنی ہلالی کب تھی
آڑی ہیکل تو گلے میں کبھی ڈالی کب تھی
تم نے یہ شوخی، یہ طراری نکالی کب تھی
سر عشاق پہ نازل یہ بلا کس دن تھی
یاد دن تک آپ کی یہ زلف رسا کس دن تھی

○

کوئی بد وضع نہ صحبت میں بٹھاتے تم تھے
گرمیاں غیروں سے کر کے نہ جلاتے تھے ہم
روز پیشانی پہ افشاں نہ لگاتے تم تھے
لب گل برگ پہ لاکھا نہ جماتے تھے ہم
مسی اور پان سے رغبت تمہیں زنہار نہ تھی
شعلہ رو آگے تو یہ گرمی بازار نہ تھی

آئینہ دیکھا تھا کس روز بہن کر پوشاک
نہ یہ طراری تھی آگے، نہ تھے اتنے چالاک
بال کھولے ہوئے پھرتے تھے نہ اتنے بیباک
نہ زباں کھینچی سی چلتی تھی نہ دامن تھا چاک
سینہ کیا کبھی عریاں نہ گلا رہتا تھا
اتنا شانے سے ڈوپٹہ نہ ڈھلا رہتا تھا

بے حجابی کا نہ تھا مہر کی صورت دستور
دن کو ہوتی تھی نقاب رُخ پر نور نہ ورنہ
کبھی آتے بھی نہ تھے دیکھنے والوں کے حضور
چشم مردم سے نہاں رہتے تھے تم صورت حور

تم پری زاد تھے تھا تم کو گوارہ پردہ
پردۂ قاف تھا مشہور تمہارا پردہ

ڈھنگ دل جوئی کے ہرگز نہ تمہیں آتے تھے
عرض مطلب پہ نہ اس طرح سے بہلاتے تھے
بند محرم کے جو کھلتے تھے تو شرماتے تھے
دونوں نعلوں میں انھیں داب کے رہ جاتے تھے

قسمیں دیتے تھے کہ میرا مُوا مردہ دیکھے
آنکھیں پھوٹیں جو ہمارے تئیں ننگا دیکھے

اب تو کچھ نام خدا سیکھے نئے ہیں انداز
سحر آنکھوں میں بھرا ہے تو لبوں میں اعجاز
نئی صحبت، نئے اشخاص، نیا راز و نیاز
نیا عشوہ، نیا غمزہ، نئی گرمی، نئے ناز

زلف دکھلا کے جسے چاہا اسے مارا چلے
حال وہ سیکھی کہ جس چال پہ تلوار چلے

یوں تو بچپن سے طبیعت کا تھا کچھ دری ڈھنگ
عمر وہ چھوٹی، ارادہ وہ بڑا، اور وہ ترنگ
تیغ ابرو سے ہزاروں کے جگر تھے چور رنگ
بینڈھیاں گوندھ کے ہوتے تھے تم آمادۂ جنگ

بل بھوؤں پر بھی پڑے چلتے نہ یہ چال تھے تم
چھوٹے سے سن میں حقیقت یہ ہے بھونچال تھے تم

خیر جو کچھ ہوا اس کا نہیں صاحب سے گلا
نہیں تقصیر تمہاری ہے فقط میری خطا
کیوں یہ ہم سہتے جو ہوتے نہ تمہارے شیدا
خستگیٔ دلِ عاشق کی تمہیں کیا پروا

کیا خبر تم کو بھلا دل کی لگاوٹ کی ہو
ہووے معلوم طبیعت جو کہیں اٹکی ہو

اب تو ہے اور ہی کچھ چہرۂ زیبا کی بہار
دن میں آرائشِ تن ہونے لگی سو سو بار
جنبشِ ابرو پہ چل جاتی ہے ہر دم تلوار
گرتے ہیں پھول سے رخسار پہ عشاق ہزار
ڈاک کی طرح سے رخسار جو خود دیتے ہیں
عکس پڑ پڑ کے گہر کان میں لو دیتے ہیں

○

نقشہ لوگوں نے بگاڑا ہے تری صحبت کا
تاک میں تیری ہیں ڈالا ہے تجھے مے کا مزہ
دن لگے تم کو بھی چل نکلے ہو اب حد سے سوا
چاندنی رات کو اب ہوتی ہے سیر دریا
سیکھے ہیں اب تو چلن سب سے نرالے تم نے
پیٹ سے نام خدا پاؤں نکالے تم نے

اب نہ پردہ ہے نہ چوری ہے نہ شرماتے ہیں
جی جہاں چاہتا ہے آپ چلے جاتے ہیں
جس پہ دل آتا ہے گھر میں اسے بلاتے ہیں
اور جو کچھ کہیے ڈھٹائی سے یہ فرماتے ہیں
ہاں جی ہاں غیر سے کی ہم نے محبت تمہیں کیا
اپنا دل، اپنی خوشی، اپنی طبیعت تمہیں کیا

○

لاکھوں اس وضع سے ہوتے ہیں ہمارے بیمار
آئی ہے دیکھنے سے سیکڑوں کی جاں میں جاں
حور و غلماں ہو فرشتہ ہو پری یا انساں
سب کے سب مثل سلیماں ہیں بزیر فرماں

سنگ پانی ہو اگر ہم کوئی تقریر کریں
آدمی کیا ہے پری زاد کو تسخیر کریں

○

بندہ پرور! یہ جو کچھ آپ نے فرمایا بجا — حسن ہے، جتنا غرور آپ کریں ہے زیبا
پر یہ غمزہ، یہ لگاوٹ یہ سجاوٹ، یہ ادا — جتنا کچھ تم میں ہے سب یہ ہے ہمارا صدقہ
میری الفت کے سبب حسن میں مغرور ہوئے
اک مرے چاہنے سے خلق میں مشہور ہوئے

دل ربائی کا چلن سارا سکھایا میں نے — ہو کے دیوانہ پری زاد بنایا میں نے
ہاں مگر سچ ہے کہ اپنا کیا پایا میں نے — ایک دن بھی نہ مزا اس کا اٹھایا میں نے
دھیان رہ رہ کے یہی آتا ہے ہم کیا سمجھے
ہو دے اس دل کا برا آپ کو اچھا سمجھے

○

اتنا مغرور نہ ہو حسنِ دو روزہ پہ صنم — ہیں حسیں آپ تو بندہ بھی نہیں آپ سے کم
سیکڑوں چاہتے ہیں سیکڑوں کا جاتا ہے ہجوم — گئے گذرے ہوئے عالم پہ بھی یہ ہے عالم
سیکڑوں مرتے ہیں اس بات پہ، یہ بات کرے
سیکڑوں چاہتے ہیں ہم سے ملاقات کرے

پر یہ للہ بتا دے تو مجھے اے مری جان — جن ہے تو، یا ہے پری، یا ہے ملک یا انساں
تیری الفت نے کیا ہے مجھے ایسا حیراں — کہ کسی طرح سے بچتی نظر آتی نہیں جاں
ہے دھواں سانس میں کیا چیز جلا دی تو نے
نہیں معلوم کہاں آگ لگا دی تو نے

اب طبیعت نے اٹھایا ہے یہ صدمہ جانکاہ
جان بچتی نظر آتی نہیں اے غیرت ماہ
شکوہ کرتا نہیں اس پر بھی ترا میں واللہ
کوئی کہتا ہے تو کہتا ہوں کہ "کیا اس کا گناہ"

ہو نہ غیبت، یہ مناسب نہیں کہنا مجھ کو
اس کا کیا شکوہ کسی سے نہیں کہنا مجھ کو

ان کو منظور اگر غیروں سے ہے انس و وفا
ان سے ملنا نہیں منظور ہمیں بھی حاشا
گو کہ مشہور زمانے میں وہ ہیں مہر لقا
اپنے مطلب کے نہیں، روز جلے کس کی بلا

کس کو مطلب ہے کہ اب ان سے ملاقات کرے
ایسے خود غرضوں سے پابوش مری بات کرے

○

مثنویاتُ

فریبِ عشق ——

بہارِ عشق ——

زہرِ عشق ——

○

فریبِ عشق

حمد

اے قلم! تو لکھ پہلے بسم اللہ بعدہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نعت

بعد احمد کی مدح کر تحریر کہ وہ دنیا میں ہے خدا کا وزیر
پایا آدم نے ہے اسی سے شرف تاجِ فخرِ پیمبرانِ سلف

منقبت

بعد احمدؐ علی کے لکھا وصاف ذو کے تیغ جس کی روز مصاف
مدح حیدر نہیں بشر کی مجال اب سنو عشق جانگداز کا حال

بیانِ عشق

داغ الفت ہر اک کے دل میں ہے عشق انساں کی آب و گل میں ہے
اس میں ڈوبا ہوا ہے سر تا سر خالی اس سے نہیں ہے کوئی بشر

ایک عاشق تن کی داستان معاشقہ

میں بھی تھا کمسنی سے عاشق تن پالے طفلی میں کھیلنے کو ہر

کھیلتا تھا اسی سے میں غم گیں
کوئی ہمجولی ہوتی تھی جو حسیں

زر خدا نے دیا تھا کثرت سے
مالِ دنیا ملا تھا حکمت سے

○

خوش گذرتا تھا اس طرح ایام
عیش رہتا تھا صبح سے تا شام

جمع رہتے تھے بزم میں وہ حسیں
نہ ہوئے ہیں، نہ ہوئیں گے جو کہیں

خوب رو، کوئی، نازنیں کوئی
مہر وش کوئی، مہ جبیں کوئی

شوخ، چالاک، خوش مزاج، ذہین
سن جوانی کا سب کے سب شوقین

خوشنما، خوش مزاج، خوش اسلوب
ایک اک اپنی طرز پر محبوب

عاشقی کے فنون سے ماہر
سب کے سب خوش جمال، خوش ظاہر

آشنا دوست، سب کے سب ہمراز
خوش بیاں کوئی، کوئی خوش آواز

شہرہ پایا تھا خوش جمالی سے
سب کے سب خاندان عالی سے

شوخ ہر ایک کی طبیعت تھی
طرفہ یاوش بخیر صحبت تھی

شوق ہر ایک فن کا رہتا تھا
چرچا شعر و سخن کا رہتا تھا

کھانا بے دل لگی نہ بجتا تھا
میلا ٹھیلا کوئی نہ بجتا تھا

○

حق تو یہ ہے کہ جائے حسرت تھی
کچھ عجب نکھری نکھری صحبت تھی

حال ابتر تھا بد نصیبوں کا
رشک بے جا نہ تھا رقیبوں کا

اسی صورت سے گذرے جب کئی سال
ہو گیا ہم کو اس ہنر میں کمال

رہے جب ایسے کارخانے میں
ایک شہرہ ہوا زمانے میں

ظلم جب سہ چکے حسینوں کے
ہوئے مرشد تماش بینوں کے

تھا جو اس فن میں دخل حد سے زیاد
ہم نشیں ہم کو کہتے تھے استاد

بحر الفت کے ہوتے تھے جو غریق
سیکھتے تھے سب آ کے اس کے طریق

مشورے ہم سے لیتے تھے ہر دم
سب میں خضر طریق عشق تھے ہم

کیفیت باغ

باغ ہے پر عجب ہے یہ روداد
نہ کوئی آدمی، نہ آدم زاد

گل ہیں سب اپنے اپنے جوبن پر
بوئے گل ہے صبا کے توسن پر

ہیں عجب لطف پر شگوفہ و گل
باغ رنگین جس سے ہے بالکل

ہے عجب لطف پر جمال چمن
جھومتے ہیں کھڑے نہال چمن

سبزہ اک جا پہ لہلہاتا ہے
پیچ سنبل کہیں پہ کھاتا ہے

مالتی کھل رہی جو ہر سو ہے
کچھ عجب بھینی بھینی خوشبو ہے

آب پاشی سے سبزہ لایق دید
سبز مخمل پہ جیسے مروارید

پھول ایک ایک اس میں بوقلموں
ہو جسے دیکھ آدمی کو جنوں

وہ سہانا سہانا وقت زوال
لطف گلشن سے ہر شجر ہے نہال

باغ چھوٹا سا پیارے پیارے چمن
گل تو گل پتے پتے پر جوبن

بیچ میں بنگلہ ایک ہے جس کا
فرش جس میں تمام اطلس کا

چار جانب سے آتی ہے خوشبو
کہیں جوہی کھلی، کہیں شبو

ہر چمن پر نئی طرح کی بہار
پھولا اک سمت لو ہے ہار سنگھار

سب چمن اپنے اپنے رنگ کے ہیں
پھول کچھ چین کچھ فرنگ کے ہیں

قفس طائران تیز زباں
ہیں قرینوں سے اپنے آویزاں

گل جو چاروں طرف مہکتے ہیں　　مست ہو ہو کے سب چہکتے ہیں

○

حیرت آمیز غصّے کی باتیں

بولی : اس جا کہار آئے کہاں　　کچھ سڑی ہیں، یہ مجھ کو لائے کہاں
بوجھ گردن کا اپنی ٹال دیا　　جہاں چاہا، فنس کو ڈال دیا
رہ گئی راہ میں کہاری کیوں　　یاں اتاری مری سواری کیوں
کیا موؤں پر قیامت آئی ہے　　مونڈی کاٹوں کی شامت آئی ہے
رکھ دی اپنی خوشی سے اسواری　　موئے نوکر ہیں، یا ہیں بیگاری
یہاں لاکر جو مجھ کو ڈالا ہے　　دال میں کچھ نہ کچھ کالا ہے
کیسی افتاد یہ الٰہی ہے　　آج جی جان کا حسد ہی ہے
راہ میں بولتے تو ڈرتی ہوں　　دیکھو گھر چل کے کیا میں کرتی ہوں
سنئے اس طرح کے جو میں نے کلام　　ضبط کا دل کو پھر رہا نہ مقام

○

دیکھو کیا چل رہی ہے سرد ہوا　　دو گھڑی سیر کیجئے اس جا

○

معشوقہ کا جواب

بولی: قائل ہوں اس ڈھٹائی کی — اے لو خوبی تری صفائی کی
ماشاءاللہ! کتنے صاف ہیں آپ — کتنے جم جم سے خوش غلاف ہیں آپ

مجھ بچاری کو یہ دماغ کہاں — ہم کہاں اور سیر باغ کہاں
وہ کرے سیر جو ندیدہ ہو — وہ پھرے جس کا شوخ دیدہ ہو

مجھ سے باتیں نہ اب بنائیے آپ — باغِ سبز اور کو دکھائیے آپ

خیر تم سے تو کیا میں بولوں گی — پر کہاری سے جا کے سمجھوں گی
اُس گھڑی تو بچی سمجھ لوں گی — گھر چلیں تو بچی سمجھ لوں گی

اب یہ کرتی ہوں آپ سے میں عرض — فیل کرنا تھا مجھ سے کون سا فرض

کہئے مجھ سے جو اس طرح کے کلام کون ہیں آپ کیا ہے آپ کا نام

○

نام جس وقت میں نے بتلایا قہقہہ مار کر یہ فرمایا
اے لو میں بھی کہوں سبب کیا ہے اوے تو ہی نواب مرزا ہے

○

اک ہی مرشد ہو تم، قصور معاف سُن چکی ہوں میں آپ کے اوصاف
بے وفائی میں دل جلانے میں تو، تو مشہور ہے زمانے میں
پھنس کے جھوٹا نہ دام سے تیرے لوگ ڈرتے ہیں نام سے تیرے
سنتی ہجولیوں سے تھی اکثر کہ نہایت ہے وہ زباں آور
کہتی تھیں وہ ہر اک سے ہنستا ہے بات کرنے میں اس سے پھنستا ہے
تن بدن سُن کے کانپ جاتا تھا نام سے تیرے خوف آتا تھا
کھینچ لائے گی تیرے گھر مجھ کو یہ نہ قسمت سے تھی خبر مجھ کو
سچ بتا کیا تو قہر کرتا تھا جس کو سنتی ہوں تجھ پر مرتا ہے
سب جسے ظلم تیرے سہتے ہیں جادوگر لوگ تجھ کو کہتے ہیں
کیا اثر ہے زباں کو تیری سب کلپتے ہیں جان کو تیری
تجھ سے تو بات کرنا آفت ہے آدمی کا ہے کو قیامت ہے
آپ کا ذکر ہنر بیان میں ہے تو تو ضرب المثل جہان میں ہے
سب کو فقروں میں کیوں لپیٹتا ہے صبر اک اک کا کیوں سمیٹتا ہے
جعل سازی یہ تجھ کو کیوں کر آئی ایک کو سائی دوسرے کو بدھائی
پر اچنبھا مجھے گذرتا ہے تجھ میں کیا ہے جو کوئی مرتا ہے

بخدا خاک جو خوش آتا ہو پھوٹیں آنکھیں جو مجھ کو بھاتا ہو

لاکھ عاشق ہو میری صورت کا کتنا پالوں نہ تیری صورت کا

○

جوابِ عشق

سن کے میں نے کہا کہ واہ جی واہ آپ بھی خوب چیز ہیں واللہ!
لاکھ ہوتے بھی ہیں اگر قاتل یوں نہیں توڑتے کسی کا دل
حسن کا ہے غرور جو کھی ہو ساری دنیا سے تم انوکھی ہو
غیر کے حال پر جو روتے ہیں وہ بھی دنیا میں لوگ ہوتے ہیں
توڑ لاتے ہیں ہر طرح احباب لاکھ کانٹوں میں پھولتا ہو گلاب
بدگمانی پہ مجھ سے رکھیے دور عفو کر دو ہوا بھی ہو جو قصور
تم نے دل میں جو یہ خیال کیا کس سے بتلاؤں میں نے حال کیا
کیا فریب آپ سے کیا میں نے کون سا تم کو حل دیا میں نے

○

کی ہے میں کی یہ آپ نے تعریف وہ کوئی اور ہوں گے ذاتِ شریف

○

○

تم تو بے وجہ لغلیں جھانکتی ہو
ایک ہی لاٹھی سب کو ہانکتی ہو

اجی دو باتیں سُن لو بیٹھ بھی جاؤ
لے لو حقہ پیو، گلوری کھاؤ

ہاتھ منہ دھو کے سیر باغ کرو
بُو سے پھولوں کی خوش دماغ کرو

ٹپا، ٹھمری، خیال جو کہو گا میں
بایاں تم چھیڑو ہم ستار بجائیں

لطفِ صحبت ذرا نہیں تم کو
کیا غضب ہے مزا نہیں تم کو

مہتر کیا اس میں پھر گذرتا ہے
آدمی، آدمی پہ مرتا ہے

○

جھوٹ مت جان کبریا کی قسم
نو گرفتا ہوں خدا کی قسم

بے حجابانہ عرض کرتا ہوں
جان دیتا ہوں، تم پہ مرتا ہوں

مجھ کو پیٹے سواری گر منگوائیے
ہم کو ہے ہے کرے جو گھر کو جائیے

آپ گر توڑ دیئے گا جی میرا
دم نکل جائیگا ابھی میرا

یہ تو کیوں کر کہوں وہ نام نہیں
تم ڈریں جس سے وہ غلام نہیں

○

جوابُ الجواب معشوق

بولی جھنجھلا کے: اے لو! اور سنو!
نہ سہی وہ، مری بلا سے نہ ہو۔

○

تم نے تو پاؤں اور بھی پھیلائے ماشاء اللہ! کچھ مزے میں آئے
مجھے اب گھر کو جانے دیجئے آپ گر میاں یہ ادے یہ کیجئے آپ

○

کرتا ہے فقرے بازیاں کیا خوب ہم سے اور جعل سازیوں کیا خوب

○

دیکھا بگڑا ہوا جو ان کا مزاج میں یہ سمجھا کہ گر نکل گئی آج
کیسے کیسے کنوئیں جھکائے گی سیکڑوں لاکھوں فیل لائے گی
اب یہاں کوئی جال پھیلاؤ رنگ کچھ اس سے اور ہی لاؤ
پیٹو، رو دو، تباہ حال کرو آج ہی وصل کا سوال کرو

○

عاشق کی مکّارانہ اداکاری

پھر تو میں دل میں سوچ کر یہ بات اُن سے کہنے لگا پکڑ کر ہاتھ
تیغ سے سر اتارتی جاؤ، جاؤ، پر مجھ کو مارتی جاؤ

○

ابرو خوب آپ کی ـــــ ہوگی　　سب جہاں میں تھڑی تھڑی ہوگی

○

الغرض ایسا رو رو چلّایا　　ہچکیاں لیتے لیتے غش آیا

○

حسینہ کا فریب میں آنا

کھینچ کے تالو سے لگ گئی جو زباں　　رحم کچھ ان کو آگیا اس آن
ارے میں کیا سمجھتی تھی یہ بات　　ایسی الفت تھی تجھ کو میرے ساتھ

○

لونڈی ہوں جب تلک جیوں گی میں　　جو کہے گا وہی کروں گی میں
میں تو ہنستی تھی تو خیال نہ کر　　اپنے دل میں تو یہ ملال نہ کر

منھ سے کہتا ہے کوئی مرتے ہیں　　سارے معشوق ناز کرتے ہیں
جرم پر اپنے انتباہ ہوا　　چلو تقصیر کی گناہ ہوا
گھر نہ جاؤں گی کبریا کی قسم　　یہیں رہ جاؤں گی خدا کی قسم
یوں کوئی اپنی جان کھوتا ہے　　کہیں ایسا غضب بھی ہوتا ہے

ہم کو پیٹے، ہماری بھتنی کھائے
دل میں گر کچھ ملال اس کا لائے

قصد جانے کا دل سے دُور ہوا
عذر کرتی ہوں لو قصور ہوا

سانسیں الٹی لیا کیا میں بھی
منّت اُن کی سنا کیا میں بھی

دل میں کھپڑ کا کیا بچھونے پر
ہنسی آتی تھی اُن کے رونے پر

○

ضبط کر کے ہنسی کو اور دم کو
کھِلا آہستہ چشمِ پُرنم کو

○

دیکھو منہ تک ہتھیلی آتی ہے
اکھو نکھو تمہیں کو بھاتی ہے

کیا چرا آیا تھا دم معاذ اللہ!
میرے تو ہوش اڑ گئے واللہ!

آگ لگ جائے ایسی گھاتوں پر
پٹکی پڑ جائے تیری باتوں پر

فی الحقیقت یہ حال تھا تیرا
یا کوئی یہ بھی جال تھا تیرا؟

ارے کیسا تھا یہ فریب و فن
میں تو سمجھی کہ مر گئے دشمن

کون سمجھے کہ بیوقوف ہے تو
ساری دنیا کا فیلسوف ہے تو

○

سُن کے میں نے کہا "معاذ اللہ
بے مروّت ہو کس قدر واللہ

کتنا کٹّر ہے دل تمہارا آہ
کتنی بے رحم ہو خدا کی پناہ

جان یاں تو پرائی جاتی ہے
واں سواری منگائی جاتی ہے

کوئی مر جائے کچھ ملال نہیں
خونِ ناحق کا بھی خیال نہیں

ارے ظالم یہ کیا طبیعت ہے!
او ستم گر! یہ کیا قیامت ہے

ایک مدت سے رنج کھاتا ہوں میں
اے لو! قدموں پہ سر جھکاتا ہوں

منتیں کرتا ہوں ملال نہ کر
گھر کے جانے کا اب خیال نہ کر

ہنس کے بولی کہ: سنئے اور یہ سیر
سچ تو بتلاؤ جان کی تو ہے خیر

ارے او فقرے باز کیا کہنا
واہ رے جعل ساز کیا کہنا!

سر قدم پاس لائے، اور سنو!
لو خدا راس لائے، اور سنو!

دور بھی ہو نگوڑے سودائی
موا ہر دیگی مچھیہ، ہرجائی!

کس کے عاشق بنے ہو کیسے چاہ
میں کہاں؟ تم کہاں؟ معاذ اللہ

دل میں تو ہیں بڑے بڑے ارمان
تم مرد ہم پہ یہ خدا کی شان

اک ذرا ہٹ کے بیٹھو، منہ بنواؤ
کہے جو نی بھی مجھ کو گھی سے کھاؤ

ساتھ لے دے کے اپنے یاروں کو
بینڈ ھکی بھی چلی مداروں کو

مردوا ہووے نوج اس گت کا
جیسے دھونسا نگوڑا نوبت کا

○

رنڈی بازی نہ تجھ سے چھوٹے گی
جعل سازی نہ تجھ سے چھوٹے گی

دل ہلایا کہیں، کہیں توڑا
ایک کو پھانسا ایک کو چھوڑا

طالبِ صورتِ حسیں ہے تو
ایک پکا تماش بیں ہے تو

تم سے دل اپنا مبتلا نہ کرے
تم پہ رحم آئے، یہ خدا نہ کرے

میرے آگے سوا نہ بڑ بڑ کر
چل پچھے مردوے، حواس پکڑ

ختم بھی اجڑی بات ہوتی ہے
مجھ کو جانے دے رات ہوتی ہے

روکے میں نے کہا: خدا کے لئے
مان لے کہنا، کبریا کے لئے

○

○

چھٹ پٹے ہیں کہیں نکلتے ہیں
بیٹھو بھی دونوں وقت ملتے ہیں

خدمتیں سب کریں گے ہم سے غلام
یہ بھی گھر ہے یہیں کرو آرام

ہنس کے کہنے لگی یہ وہ مخمور
ایسے فقروں میں آگئی میں ضرور

رہ بھی جاؤں گی گر میں آج کی رات
وہ نہیں ہوگی تم جو سمجھے ہو بات

اور مستانیاں وہ ہوتی ہیں
مردوں پر جو جان کھوتی ہیں

○

سب ترا فیل ہے، بناوٹ ہے
موذی ہے، بے حیا ہے، نٹ کھٹ ہے

الغرض بعد گفتگوئے کثیر
پیش کی اس نے مجھ سے یہ تقریر

○

قول و اقرار اس کا کیجئے آپ
اپنی عادت یہ چھوڑ دیجئے آپ

○

گر بھلکر نہ اس کا دیجئے آپ
اپنی رادھا کو یاد کیجئے آپ

○

اس سے آگے ہے اور کیا بڑھکر　　جو ہو مرضی وہ دے دوں لکھ پڑھ کر
تھی جو ان سے مجھے دغا منظور　　کہنا سب ان کا کر لیا منظور

○

نہ رہی درمیاں میں جب تکرار　　ہو گیا وصل بعد قول و قرار

○

انجام

کچھ دنوں تک مزے اڑائے خوب　　لطف اس شوخ سے اٹھائے خوب
بھر گیا دل پھر ان کی صحبت سے　　ہو گئی نفرت ان کی صورت سے
نہ مزہ میں نے ان میں جب پایا　　اور معشوق سے دل الجھایا

○

رشک سے پیچ و تاب کھانے لگی　　دل ہی دل میں الم اٹھانے لگی

○

جی سے اپنے گذر گئی آخر　　بعد چندے کے مر گئی آخر

○

بہارِ عشق

بیانِ عشق

عشق، آفاتِ آسمانی ہے
برسوں لوگوں نے خاک چھانی ہے

شمع ہو کر کہیں پگھلتا ہے
کہیں پروانہ بن کے جلتا ہے

کہیں یوسف نگاہ بنتا ہے
گہہ ڈبونے کو چاہ بنتا ہے

گہہ خزاں ہے کہیں بہار ہے یہ
گل کہیں ہے، کہیں پہ خار ہے یہ

کہیں دل لے لے قہر کرتا ہے
کہیں رسوائے شہر کرتا ہے

کہیں عاشق، کہیں ہے روئے حبیب
کہیں بیمار ہے، کہیں ہے طبیب

کہیں سرمہ ہے، چشمِ تر ہے کہیں
کہیں صندل ہے، دردِ سر ہے کہیں

ہے کہیں کفر، اور کہیں اسلام
کہیں دونوں کو کرتا ہے یہ سلام

کہیں مے ہے، کہیں سرور ہے یہ
کہیں شیشے کی طرح چور ہے یہ

کہیں آتش ہے خود، کہیں ہے خلیلؑ
کہیں ساقط ہے مثلِ نبضِ علیل

کہیں فرقت کا دردمند ہے یہ
کہیں مغرور خود پسند ہے یہ

کہیں زخمِ جگر کا پھایا ہے
درد بن کر کہیں کراہا ہے

کہیں عارض کا خال بنتا ہے
کہیں چشمِ غزال بنتا ہے

کہیں جام شراب ہوتا ہے
کہیں جل کر کباب ہوتا ہے

کہیں افعیٔ زلفِ یار ہے یہ
کہیں تریاقِ زہرِ مار ہے یہ

○

جواب اُس ماہ رو کا

نام چلنے کا سُن وہ عاشق کُش
بولی تیوری چڑھا کے خیر جو خوش

ہوتے سوتوں کو اپنے وہ بلوائے
خوب گرمی کی کیا مزے میں آئے

دل میں کیا خیال آیا ہے
خانگی، کسبی کچھ بنایا ہے

کتنی باتیں نگوڑے آتی ہیں
شامتیں، کہہ کے تھوڑی آتی ہیں

کوئی مرتا ہے کیوں بلا جانے
ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانے

بیٹھے بیٹھے، فتور اٹھایا ہے
کچھ قضا کا پیام آیا ہے

لاکھوں خوش رو جواں پری تمثال
اسی کوچے میں ہو گئے پامال

کوئی گھٹ گھٹ کے جان کھوتا ہے
پس دیوار کوئی روتا ہے

گیروی کوئی پہنے ہے پوشاک
کوئی برسوں سے ہے گریباں چاک

کوئی الفت میں ہو گیا ہے فقیر
کوئی اس میں امیر، کوئی وزیر

رحم کی جا ہے یہ خدا کا غضب
کوئی مر جائے مجھ سے کیا مطلب

کہیں ہم لوگ رحم کرتے ہیں
ایسے چودہ ہزار مرتے ہیں

پھر یہ غصے سے بولی وہ خود کام
کوئی کرتا ہے اس طرح کے کلام

دور ہو کہ بس کہ ہے قصور معاف
پاس کرتی ہوں جان کر اشراف

ورنہ اس کا مزہ چکھا دیتی
کیا کہوں جو تمہیں سزا دیتی

اب خبردار یاں نہ آیئے گا
پھر نہ یہ بات منھ پہ لائیے گا

میری جوتی سے زہر کھایا ہے
مجھ کو کس بات پر دھرایا ہے

جان جائے گی ان کی جائے گی
میری پاپوش بھی نہ آئے گی

ایسے جھگڑے مری بلا جانے
میں کہاں، وہ کہاں، خدا جانے

جان دیتے ہیں، زہر کھاتے ہیں
مڑ چڑا پن مجھے دکھاتے ہیں

بس چلے تو میں اور دے دوں زہر
برے کی جان پر خدا کا قہر

کس پر افیون اس نے کھائی ہے
مرنے جوگے کی شامت آئی ہے

اور جا پر کہو! یہ ڈورے ڈال
خوب رویوں کی کچھ نہیں ہڑتال

کیا مرے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑے
زہر کھائے مجھی پہ بیٹھے تھے

○

اِختلاطِ ظاہری

منہ ڈھڈ پٹے سے ڈھانپتی اتری
خوف کے مارے کانپتی اُتری

نیچی نظروں سے دیکھ بھال لیا
سر پہ آنچل الٹ کے ڈال لیا

سب حیا سے بدن چرائے ہوئے
پائنچے ناز سے اٹھائے ہوئے

شرم سے گو کہ تھا عرق تن میں
پر شرارت بھری تھی چتون میں

نوک چوک اک جمال سے پیدا
بانکپن چال ڈھال سے پیدا

شوخ طرار، چلبلی، کم سن
حسن اُبلا ہوا، بہار کے دن

کچھ گندھے، کچھ کھلے وہ سر کے بال
سارے معشوقوں سے نرالی چال

طاق معشوق پن کی گھاتوں میں
شرم آنکھوں میں، قہر باتوں میں

چال اٹکھیلیو سے چلتی آئی
دل کو پاؤں کے نیچے ملتی آئی

جان عشّاق ہوتی تھی پامال
دیتی تھی قتل کی صدا خلخال

گھنگھرو جوتی کے چھم چھماتے تھے
ہاں میں ہاں اور یہ ملاتے تھے

منتخب حسن اس کا لاکھوں میں
لال ڈورے نشیلی آنکھوں میں

گوری رنگت پہ گرمی صورت میں
اَچپلا پن بھرا طبیعت میں

آنکھوں میں سحر، ہونٹوں پر اعجاز
بات کرنے کا اک نیا انداز

طرز گفتار بانکپن کے ساتھ
شعر برجستہ ہر سخن کے ساتھ

کچھ رکھائی تھی، کچھ ہنسی کچھ شرم
تازہ فقرے، لطیفے گرما گرم

تھا عجب پیچ و تاب کاکل کا
پھٹا پڑتا تھا جوبن اس کا

خرمنِ جاں پہ برق آفت تھی
قہر تھی، فتنہ تھی قیامت تھی

○

گر یہ پوچھا کہ اتنا کیوں گھبرائے
ڈر کے بولی کہ: کوئی آ تو نہ جائے

جب کہا: آ گے آؤ، پیار کروں
بولی: سچ کہہ، تجھے قرآن کی سوں

ہوتے سوتے کو اپنے کیجے پیار
چل چھٹے ہو، تجھے خدا کی سنوار

پوچھا کس سے یہ سیکھے طور، کہو!
بولی: یہ سُن چکی، کچھ اور کہو!

کہا: اک بوسہ لیں، جو آگے آؤ
ہنس کے بولی: کہ منھ اپنا بناؤ

میں نہ مانوں گی، لاکھ جوڑو ہاتھ
دیکھو! میں چیختی ہوں، چھوڑو ہاتھ

سُنو! باتوں میں لطفِ صحبت ہے
دھینگا مشتی سے مجھ کو نفرت ہے

اچھے آتے ہی اختلاط بڑھائے
خوب نام خدا! مزے میں آئے

بَل بے فقرا ترا! معاذ اللہ!
میرے تو ہوش اُڑ گئے واللہ!

لوگ کہتے تھے "ہے لبوں پر جان"
مکر کے صدقے، جھوٹ کے قربان

⁂

○

جس طرح سے ہمیں فریب لائے
دیدوں، گھنٹوں کے تیرے آگے آئے
ایسے فقروں کو کوئی کیا سمجھے
اور تو کیا کہوں؟ خدا سمجھے
حسن کے یہ ہیں چمٹ گیا اک بار
اور لگا کرنے اس سے بوس و کنار
وصل کے لاکھوں اہتمام کئے
لیکن اس نے عجب کلام کئے

○

شرم سے سب بدن چرائے ہوئے
آپ ہی آپ کچھ چھپائے ہوئے
ہاتھ پائی میں ہانپتے جانا
چھوٹے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا
بال رخ کے سنوارتے جانا
اونچی کرتی اتارتے جانا
زور کرنا کبھی کہ چھوٹیں ہاتھ
کبھی کہنا "الٰہی ٹوٹیں ہاتھ"
کبھی کہنا "جو ہم کو ہاتھ لگائے
جس کو چاہے اسی کا ہاتھ کھائے
کبھی باتوں میں ہوش کھو دینا
کبھی کھسیانی ہو کے رو دینا
کبھی تیوری چڑھا کے چپ رہنا
اور کبھی مسکرا کے یہ کہنا
آنکھیں پھوٹیں جو پھر نظر دیکھے
ہم کو پیٹے اگر ادھر دیکھے
کبھی کہنا "کہاں میں آن پڑی"
کیا کروں؟ کس غضب میں جان پڑی
گھر گئی آ کے کیسی آفت میں
پڑ گئی جان کس مصیبت میں
کئی دن سے بخار آتا ہے
تن بدن سنسنایا جاتا ہے
کچھ عجب حال میرے جی کا ہے
دیکھو سینڈا ابھی سے پھیکا ہے
"رحم مجھ پر نہیں کچھ آتا ہے
کوئی مہماں کو یوں ستاتا ہے
کبھی جھنجھلا کے سر پٹک دینا
ہاتھ لے کر کبھی جھٹک دینا

گہہ کلائی مڑوڑنے لگتا
اور کبھی ہاتھ جوڑنے لگتا

"کوئی اس طرح بھی بپھرتا ہے
ہا! کوئی ایسی بات کرتا ہے

"کوئی اس طرح بھی بپھرتا ہے
ہا! کوئی ایسی بات کرتا ہے

اشتیاق ایسا کیا زیادہ ہے
خیر ہے؟ کہیئے کیا ارادہ ہے

فصد کھلواؤ! تم کو سودا ہے
سنبھلو صاحب ذرا، ہوا کیا ہے؟

ڈھنگ پر تیرا کوئی طور نہیں
چلبلے پن سوا کچھ اور نہیں ہے

بس نہ زیادہ نہ جوش میں آؤ
منہ کو دھو ڈالو، ہوش میں آؤ

○

"صاف صورت سے تیری پیدا ہے
آدمی کا ہے کو ہیولا ہے

"کچھ بہت خوش مزاج عالی ہے
تو نے یہ چڑھ مری نکالی

"مسخرا پن ہے، یہ ہوا کیا ہے
کچھ بڑا پایا ہے؟ جو ہنستا ہے

کبھی آنکھیں نکالنے لگنا
کبھی اس طرح ٹالنے لگنا

"آج پر کیا ہے، کل پھر آدیں گے
ہول کا ہے کی ہے؟ سمجھ لیں گے

آتے جاتے ہیں لوگ، ٹھہرو تو
جلدی کیا ہے؟ چھری تلے دم لو

کہیں کوئی نہ یہ خبر سن پائے
دیکھو! ایسا نہ ہو کوئی آجائے

بے حیائی کا جامہ پہنا ہے
خیر سے لکھنؤ میں رہنا ہے

○

چربی، آنکھوں میں تیری چھائی ہے
کچھ نگوڑے کی شامت آئی ہے

جان ہلکان ہو گئی بخدا!
چھوڑ! غارت گئے!! مرا پیچھا!

آپ سے ہوگیا ہے کیوں باہر
آگ لگ جائے تیری مستی پر

بے خودی ہے کہ بے حیائی ہے
یا فلک سیر تو نے کھائی ہے

آدمی کے لباس میں آؤ!
ہوش پکڑو! حواس میں آؤ

کبھی آفت نہ یہ اٹھائی تھی
چھائیں بھوئیں ابھی نوج آئی تھی

ہٹ کے بیٹھو، بہت ستایا ہے
تم نے غیلا مجھے بنایا ہے

کیا دھما چوکڑی مچائی ہے
تیری بختاوری کچھ آئی ہے

تم تصدق کئے، نثار ہوئے
خوب میرے گلے کا ہار ہوئے

سیکھو صاحب قرینے کی باتیں
کرو کچھ روزوں جینے کی باتیں

مجھ کو یہ بات ہی نہیں مرغوب
اچھے کھل کھیلے! واہ وا کیا خوب

ڈھنگ یہ آپ کے نرالے ہیں
پیٹ سے پاؤں کچھ نکالے ہیں

کہے دیتی ہوں شامت آئی ہے
دیکھو یہ دل میں کیا سمائی ہے

کوئی گل رو، جو دیکھا بھول گئے
دین و دنیا تمام بھول گئے

آنکھ، اچھی سے سب کی لڑتی ہے
تیری توراں پلکی پڑتی ہے

کیوں میں آئی اجڑ گئی ہے ہے
کیا ترے جل میں پڑ گئی ہے ہے

موئے بدذات! بے حیا! بے شرم
جانتے ہیں کہ ہم ہیں گرما گرم

کتنا بد اختلاط ہے، در گور!
کیا برا ارتباط ہے در گور!

تو نے تعلیم کس سے پائی ہے
ہاتھا پائی فقط سکھائی ہے

بس زیادہ نہ آپ اترائیں
دیکھو کچھ شامتیں نہ آجائیں

تو، تو عادی ہے اور باتوں کا
بات کیا مانے دیو، لاتوں کا

چٹا جاتا ہے بے حیا یک لخت
بھوت ہے یا پلیٹ ہے کم بخت

کچھ نمو ہی نہ مجھ کو جانیے گا
دیکھئے پھر برا نہ مانیے گا

موئے جیتے اکھاڑ ڈالوں گی
مکڑی کی طرح جھاڑ ڈالوں گی

میں اگر بولنے پہ آؤں گی
لاکھوں دُھجیاں اڑاؤں گی

ابھی سب کہہ کے، سُن کے رکھ دوں گی
سات پیڑھی کو، پن کے رکھ دوں گی

دیکھنا کیسی دھوم ڈالوں گی !!
روئی کی طرح تو، م ڈالوں گی !!

جان کر ڈالی سب مری ہلکان
پھٹ پڑے سونا جس سے ٹوٹیں کان

میں سمجھتی تھی یہ ہنسی سے ہے
جی میں کیا کیا سلامتی سے ہے

اور باتوں کا اب پیام ہوا
مینڈکی کو بھی لوز کام ہوا !

تھے اسی دن کو سب اٹھا رکھے
کیا کیا ارمان ہیں، خدا رکھے

اب میں سمجھی جو مقصد تیرا ہے
اے لو کم بختیوں نے گھیرا ہے

کیا کھلی ہے زبان جم جم سے
صاف صاف اب تو کہتے ہو ہم سے

ہم بھی ایسے ہیں، اس پہ مرتا ہے
حوصلہ دل کا پورا کرتا ہے

تاکہ مشہور ہوں ہزاروں میں
ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

بدمزہ پھیکی، شوخیاں نہ کرو
بس چلو، ٹھنڈی گرمیاں نہ کرو

دیکھو دیکھو بہت نہ اترا ؤ
ٹھنڈی ٹھنڈی چلو ہوا کھاؤ

○

تو بڑی روٹی بھی اگرچہ اٹھائے
سنتیاناس ہو جو باور آئے

لاکھ اظہار ہو محبت کا
ہے یقیں کس کو تیری الفت کا

قسمیں جھوٹی ہزار تو، کھائے
کس نگوڑی کو اعتبار آئے

جھوٹ کی ناؤ چلتی ہے کیوں کر
ان گنوں پر ترے پڑیں پتھر

مجھ سے باتیں نہ اب زیادہ بنا
چل چخ مردوے حواس میں آ

ایسی باتوں سے مجھ کو نفرت ہے
تیری منہ دیکھے کی محبت ہے

چکنی باتیں یہ کوئی مانتی ہوں — میں ترا سارا حال جانتی ہوں

○

میں سمجھتی ہوں جو ارادہ ہے — ایک نٹ کھٹ حرام زادہ ہے
کس قدر صاف تیرا دیدہ ہے — الحذر! الحفیظ کی جا ہے
زہر ہیں پیڑ تک ترے چاٹے — زہر چڑھ جائے تو جسے چاٹے
کون سمجھے تجھے ادھورا ہے — ارے تو سب گنوں میں پورا ہے
ایک بد ذات تو نگوڑا ہے — تجھ سے جو کچھ نہ ہو وہ تھوڑا ہے

○

لاکھ منت کرو بلائیں لو! — وہ نہیں ہوگا تم جو سمجھے ہو!
اب رہو گے اسی تمنا میں — دھور کھو اپنا منھ گڑھیا میں
تم نے صاحب! اگر اڑائی ہے — ہم نے بھی بھون بھون کھائی ہے
جیتے رہیئے کہ اس میں مریئے آپ — نخرا تلا ذرا نہ کریئے آپ
سب کو دیدہ دلیل سمجھا ہے — کیا ملا فاتحہ کھیل سمجھا ہے
کوئی دل کا مزا بھی کھوتا ہے — یہ زبردستیوں سے ہوتا ہے
میں تو مفت خدا ہوئی بدنام — اس محبت کو آپ کی ہے سلام

○

تو نے بے غیرتوں کے کاٹے کان — سو نصیحت کرو نہیں کچھ دھیان
کہاں لائی ہے واہ ری تقدیر — موا باڑے کا جس طرح سے فقیر
کوسنے گالیاں بھی کھاتا ہے — پلا آتا ہے، چمٹا جاتا ہے

اتنا بھی بے حیا نہیں دیکھا
ایسا چکنا گھڑا نہیں دیکھا

آنکھ کچھ بھی کہوں، نہیں پھرتی
کان پر تیرے جوں نہیں پھرتی

اور جو ہو تو پھر نہ بات کرے
چینی بھر پانی لے کے ڈوب مرے

یہ تو پھر بڑبڑائے جاتا ہے
اور بھی جان کھائے جاتا ہے

دور بھی ہوں کہیں یہاں سے نکل
ارے تیری تو ہو گئی یہ مثل

جان جائے گی کس خرابی سے
ہاتھ اٹھے گا نہ اس رکابی سے

بات مجھ کو نہیں یہ خوش آتی
ایسی بندی نہیں کچھ اڈ ماتی

دوسرے میری کیا محبت ہے
اور ہیں جن سے تم کو الفت ہے

یہ طریقہ انھیں کے ساتھ رہے
میرے سینے پہ نوج ہاتھ رہے

خوب ظاہر نیا سپاک کیا
تم تھکو نہ مجھے ہلاک کیا

ایسے فقروں میں اب میں آتی ہوں
چل نچے دور ہو، میں جاتی ہیں

○

سن کے اس بات کو یہ جھی گھات
گر کے قدموں پہ اور کہی یہ بات

ہر گھڑی دم تمہارا بھرتے ہیں
بخدا ہم تو تم پہ مرتے ہیں

کہہ کے کہہ دوں ابھی قسم سو بار
میں تو تیرا فقط ہوں عاشق زار

جھوٹے کی جان پر ستم ٹوٹے
شاہ عباس کا علم ٹوٹے

○

بخدا کوئی خوش جو آتا ہو
آنکھیں پھوٹیں جو کوئی بھاتا ہے

○

بولی! باتیں بنا نہ میرے ساتھ
اب تو میں لگ گئی ہوں تیرے ہاتھ
مجھ پہ مرتے ہو تم قرآن کی سوں
سچ کہو! تم کو میری جان کی سوں

○

کھل گیا مجھ پہ تیرا سارا حال
پہلے منہ چومتے ہی کاٹا گال
اپنے مطلب کی یہ محبت ہے
تیری تو ذات بے مروت ہے

○

ہم سے اظہار تھا کہ مرتے ہیں
یاں اللّٰے تللّٰے کرتے ہیں
جھوٹ کہتا ہے اور مکرتا ہے
اس پہ پھر چار آنکھ کرتا ہے

○

چھوٹی قسموں پہ اپنے ہے مغرور
جانتا ہے کوئی پھنسے گا ضرور
یوں ہر اک کو جو پھانس لاؤ گے
اک نہ اک روز منہ کی کھاؤ گے

○

یا الٰہی! جو جھوٹی قسمیں کھائیں
دونوں آنکھیں ابھی پٹم ہو جائیں

○

دیدے پھوٹیں گے ایسی باتوں پر
ہر گھڑی ڈھونسا ہے ہاتھوں پر

○

دیئے اس شوخ نے جب ایسے جواب
دلِ مضطر مرا ہوا بے تاب
ایک تو جی سے تھا میں عاشق زار
اور ان باتوں نے کیا بیمار
جب نہ مانی کسی طرح منت
ہاتھا پائی کی آ گئی نوبت

○

"اب بتا کیوں سرہانے بیٹھا ہے
چل! سرک دور یاں سے! اب کیا ہے

○

ایسا انداز تیرا دور کیا
مار کر مجھ کو چکنا چور کیا

○

کس ڈھٹائی سے مجھ سے کی یہ بات
تجھ کو کیا کہہ کے کوسوں اور بد ذات

○

کیسا بے رحم موذی آفت ہے
اب تلک میری غیر حالت ہے

○

ہنس کے میں نے دیا یہ ان کو جواب
ہم غریبوں پہ اب کرو نہ عتاب

○

○

بولی: "او بدلحاظ! بدکردار ہوتے سوتوں کا ہوتے گھر بار
جان پر بن رہی ہمارے ہے مر رہا تو جگت کے مارے ہے

○

جی بچے بجھ سے تو جدائی ہے آدمی کا ہے کو قسائی ہے

میرے ملنے سے ہاتھ دھونا پھر پھوٹی قسمت کو بیٹھے رونا پھر

○

خیر سے اب جو گھر کو جاؤں گی سر بھی پٹکو گے تو نہ آؤں گی
بجھ کو صدقے اتاروں جا کے وہاں دائی بندی نے ہاتھ دھوئے جہاں

○

کیا کہوں رنج کیا دیا تو نے جو نہ کرنا تھا وہ کیا تو نے
خوب گھر میں بلا کے دعوت کی صرف کس دن کی یہ عداوت کی

○

خیر جو کچھ کیا وہ خوب کیا یہ بھی مقسوم کا مرے لکھا

مری رخصت میں اب نہ کرتا خیر ورنہ ہم صورتوں میں ہوں گے حقیر

○

اب تو جانے دے کبریا کے لئے　　منتیں کرتی ہوں خدا کے لئے

○

رخصتِ محبوب

پہلے لپٹا کے خوب پیار کیا　　پھر یہ کہہ کر انھیں سوار کیا
گو چھڑاتا ہے آسمان مجھے　　بھول جانا نہ میری جان مجھے

○

جاؤ! پر قول ہارتی جاؤ!　　ہاتھ پر ہاتھ مارتی جاؤ!

بولو کب آؤ گی قرار کرو　　کچھ تو تسکینِ جانِ زار کرو

○

تم بھی کرنا بہانا گھات ہے یہ　　بولی: "فرصت کے ہاتھ بات ہے یہ
خیر اس کا جواب پھر دیں گے　　جیسی بن آئے گی سمجھ لیں گے"

○

کہہ کے یہ وہ سدھاری اپنے گھر　　یاں ہوا حال دل کا نوحۂ دگر

یاد آنے لگا وہ جانِ جہاں گھڑیوں بڑھنے لگا مرا خفقان

○

کبھی دیوانہ وار بکتا تھا کبھی کچھ منہ سے کہہ نہ سکتا تھا

دوست آتے تھے جو عیادت کو روتے تھے دیکھ دیکھ صورت کو

یاں تو یہ ہو رہا تھا میرا حال اب وہاں کا ذرا سنو احوال

○

پہنچنا اس ماہ رو کا اپنے مکان

گھر تلک پہونچی ہول کھاتی ہوئی دل میں سو نظریں بناتی ہوئی

○

اس مزے میں جو ہو گئی تھی رات کہی سب نے سنانے کو یہ بات
نوج نو چندی کو میں جاتی آج آئی ہوں کیسی ہولیں کھاتی آج
بھیڑ نے آج دم تمام کیا ایسی درگاہ کو سلام کیا
ساتھ مانا نہ آج اگر جاتی کیسی بختاوری مری آتی

○

الغرض پھر تو صبح سے تا شام
آنے جانے لگا پیام سلام
قاصدان اس طرف سے آتا تھا
تحفہ اکثر یہاں سے جاتا تھا

○

تھے جو اشراف کچھ نہ بن آئی
مشورت اس طرح سے ٹھہرائی
شادی ان دونوں کی جو ہو جائے
کچھ تو منھ سے سیاہی دھو جائے

○

کر کے آپس میں اس طرح کے کلام
بھیجے شادی کے پھر پیام و سلام
تھی جو قسمت میں ہونی آبادی
ہو گئی دھوم دھام سے شادی

○

زہرِ عشق

حمد

لکھ قلم پہلے حمدِ ربّ ودُود
کہ ہر اک جا پہ ہے وہی موجود

ذاتِ معبود جاودانی ہے
باقی جو کچھ کہ ہے کہانی ہے

ہر سر اس کا نہیں ندیم نہیں
سب ہیں حادث کوئی قدیم نہیں

○

بیانِ عشق

ہے بنا جب سے عالمِ ایجاد
ہوئی ہر شے ہر ایک کو امداد

رنگ و خوبی عطا کیا گل کو
نالہ و درد بخشا بلبل کو

ماہ کو نور، لطف ہالے کو
چشم نرگس کو داغ لالے کو

راستی کی عطا صنوبر کو
پیچ سنبل کو، آب گوہر کو

سختی ساری بتوں کے دل میں دی
الفت انسان کی آب و گل میں دی

عشق سے کون ہے بشر خالی
کر دیے اس نے گھر کے گھر خالی

پڑتے ہیں اس میں جان کے لالے
ڈالتا ہے جگر میں بخانے

جو کہ واقف تھے ان قرینوں سے
خاک چھنوائی سب حسینوں سے

اس سے امید رکھنا ہے بے جا
بھائی مجنوں سے کیا سلوک کیا

منہ سے کرنے نہ دی فغاں اس نے
مارے چن چن کے نوجواں اس نے

اس نے جس سے ذرا تپاک کیا
سب سے پہلے اسے ہلاک کیا

آتش ہجر سے رُلاتا ہے
آگ پانی میں یہ لگاتا ہے

مار ڈالا تماش بینوں کو
زہر کھلوا دیا حسینوں کو

بس میں ڈالے نہ کبریا اس کے
رحم دل میں نہیں ذرا اس کے

آغازِ داستان

ایک قصہ عجیب لکھتا ہوں — داستانِ غریب لکھتا ہوں
تازہ اس طرح کی حکایت ہے — سننے والوں کو جس سے حیرت ہے
جس محلے میں تھا ہمارا گھر — وہیں رہتا تھا ایک سوداگر

ایک دختر تھی اس کی ماہِ جبیں — شادی اس کی نہیں ہوئی تھی کہیں
ثانی رکھتی نہ تھی وہ صورت میں — غیرتِ حور تھی حقیقت میں

اس سن و سال پر کمالِ خلیق — چال ڈھال انتہا کی نستعلیق

تھی زمانے میں بے عدیل و نظیر — خوش گلو، خوش جمال، خوش تقریر

ایک دن چرخ پر جو ابر آیا — کچھ اندھیرا سا ہر طرف چھایا
کھل گیا جب برس کے وہ بادل — قوس تب آسماں پہ آئی نکل
دل مرا بیٹھے بیٹھے گھبرایا — سیر کرنے کو بام پر آیا

دیکھا اک سمت جو اٹھا کے نظر　　سامنے تھی وہ دختِ سوداگر

ہوئی میری جو اس کی چار نگاہ　　منہ سے بے ساختہ نکل گئی آہ

سامنے وہ کھڑی تھی ماہِ منیر　　چپ کھڑا تھا میں صورتِ تصویر

○

اسی صورت سے ہو گئی جب شام　　لائی پاس ان کے اک کنیز پیام
بیٹھی ناحق بھی ہولیں کھاتی ہیں　　اماں جان آپ کو بلاتی ہیں
گیسو رُخ پر ہوا سے ہلتے ہیں　　چلئے اب دونوں وقت ملتے ہیں
سُن کے لونڈی کے منہ سے یہ پیغام　　گئی کوٹھے کے نیچے وہ گل فام

○

گزرے جو کچھ دن جو رنج کے مارے　　زرد رخسار ہو گئے سارے
ہو گئی پھر تو ایسی حالتِ زار　　جیسے برسوں کا ہو کوئی بیمار

○

دیکھے ماں باپ نے جو یہ انداز　　روح قالب سے کر گئی پرواز
پوچھا مجھ سے یہ کیا ہے حال ترا　　کس طرف ہے بندھا خیال ترا

○

رنج کس شعلہ رو کا کھاتے ہو شمع کی طرح پگھلتے جاتے ہو

کھاتے ہو، پیتے ہو، نہ سوتے ہو روز اُٹھ اُٹھ کے شب کو روتے ہو

○

میرے بچے کی جو کڑھائے جان سات بار اس کو میں کروں قربان
اللہ آمیں سے ہم تو یوں پالیں آپ آفت میں دل کو یوں ڈالیں
تیرے پیچھے کی تلخ سب اوقات دن کو دن سمجھی اور نہ رات کو رات
پالا کس کس طرح تمہیں جانی کون منت تھی جو نہیں مانی
روشنی مسجدوں میں کرتی تھی جا کے درگاہ چوکی بھرتی تھی
اب جو نامِ خدا جوان ہوئے ایسے مختار میری جان ہوئے
ہاں میاں سچ ہے یہ خدا کی شان تم کرو جان بوجھ کر ہلکان
ہم تو یوں پھونک پھونک رکھیں قدم آپ دیتے پھریں ہر ایک پہ دم
ہم یہاں رنج و غم میں روتے ہیں آپ غیروں پہ جان کھوتے ہیں
یوں ستاؤ گے جان کر ہم کو تھی نہ اس روز کی خبر ہم کو
دیکھتی ہوں جو تیرا حالِ زبوں خشک ہوتا ہے میرے جسم کا خون
یوں تو برباد تو شتاب نہ کر مٹی ماں باپ کی خراب نہ کر
کچھ تو کہہ ہم سے اپنے قلب کا حال کس کا بھایا ہے تم کو حسن و جمال
دل ہوا تیرا شیفتہ کس کا سچ بتا ہے فریفتہ کس کا
کیسا دو دن میں جی نڈھال ہوا دائی بندی کا کیا یہ حال ہوا

آئینہ تو اٹھا کے دیکھ ذرا — سُت گیا دو ہی دن میں منہ کیسا
سدھ نہ کھانے کی ہے نہ پینے کی — کون سی پھر امید جینے کی
کس کی الفت میں ہے یہ حال کیا — کچھ نہ ماں باپ کا خیال کیا
دل پہ کیا گزرتی ہے ملال تو کہہ — منہ سے ناشدنی اپنا حال تو کہہ
یوں اگر ہو گیا تو سودائی — دور پہونچے گی اُس کی رسوائی

○

کر دیا کس نے ایسا آوارہ — کہ نہیں بنتا اب کوئی چارہ

میرے تو دیکھ کر گئے اوسان — لیلیٰ مجنوں کے تو نے کاٹے کان

باتیں یہ والدین کی سُن کر — اور اک قلب پر لگا نشتر

میں تو کھائے ہوئے تھا عشق کا تیر — پر ہوئی ان کے دل پہ بھی تاثیر
چھلکے آنکھوں کے دونوں پیمانے — دل لگا آپ آپ گھبرانے

ہو گئی جب کمال حالتِ زار — جی میں باقی رہا نہ صبر و قرار
لکھنے پڑھنے سے تھا جو اس کو ذوق — سوچ کر دل میں لکھا اک شوق

بھیجا مجھ کو وہ بے خطر نامہ — ڈر سے لکھا مگر نہ سر نامہ
ایک ماما نے آ کے چپکے سے — خط دیا ان کا ہاتھ میں میرے

نامۂ عشق

پڑھ کے میں نے لکھا یہ ان کو جواب　　کیا لکھوں تم کو اپنا حال خراب

پہنچا جس وقت سے ترا مکتوب　　زندگی کا بندھا ہے کچھ اسلوب

دل پہ آفت عجیب آئی ہے　　جان بچ جائے تو خدائی ہے

○

اب جو پہنچی یہ آپ کی تحریر　　ہے یہ لازم کہ وہ کرو تدبیر
سختیاں ہجر کی بدل جائیں　　دل کی سب حسرتیں نکل جائیں
دے کے خط میں نے یہ کہا اس سے　　"جلد اس کا جواب لا اس سے"
پہنچا جب ان تلک مرا مکتوب　　ہنس کے بولی کہ "واہ وا کیا خوب"

○

جواب نامۂ عشق

پھر کیا یہ جواب میں تحریر　　"کچھ قضا تو نہیں ہے دامنگیر"

ایسی باتیں تھیں کب یہاں منظور — تھا فقط تیرا امتحاں منظور
یہ تو لکھے تھے سب ہنسی کے کلام — ورنہ ان باتوں سے مجھے کیا کام

تم پہ میں مرتی! کیا قیامت تھی — کیا مرے دشمنوں کی شامت تھی

کالا دانہ ذرا اُتر دا لو — رائی لون اس سمجھ پہ کر ڈالو
تجھ پر مرتے بھی گر مرے بدخواہ — یوں نہ لکھتی کبھی معاذاللہ
جان پاپوش سے نکل جاتی — پر طبیعت نہ یوں بدل جاتی

○

جی میں ٹھانی ہے کیا بتاؤ تو — خانگی، کسبی کوئی سمجھے ہو

○

دیکھ تحریر فیل لائے آپ — خوب جلدی مزے میں آئے آپ
طالبِ وصل جو ہوئے ہم سے — ہیگا سادہ مزاج جم جم سے

○

رہی کچھ روز تو یہی تحریر — پھر موافق ہوئی مری تقدیر
ہوئے اس گل سے وصل کے اقرار — اٹھ گئی درمیاں سے سب تکرار
جو کہا تھا ادا کیا اس نے — وعدا اک دن وفا کیا اُس نے
رات بھر میرے گھر میں رہ کے گئی — صبح کے وقت پھر یہ کہہ کے گئی

لو مری جان! جاتی ہو اب تو یاد رکھئے گا میری صحبت کو

○

پیار کرتی تھی جو وہ غیرتِ حور رکھا ملنے کا اس نے یہ دستور
پنج شنبے کو جاتی تھی درگاہ واں سے آتی تھی میرے گھر وہ ماہ
عیش ہونے لگے مرے اُن کے غیر جلنے لگے یہ سُن سُن کے

○

اتفاق ایسا پھر ہوا ناگاہ دو مہینے تلک نہ آئی وہ ماہ
قطع سب ہو گئے پیام و سلام نہ رہی شکل راحت و آرام

○

دل کو تشویش تھی یہ حد سے زیاد دفعتہً پڑ گئی یہ کیا افتاد

نہیں معلوم کیا پڑی افتاد جو فراموش کی ہماری یاد

○

۲ دو مہینے کے بعد معشوقہ کا پھر آنا

آئی نو چندی اتنے میں ناگاہ اس بہانے سے آئی وہ درگاہ
بسکہ مرتی تھی نام پر میرے چھپ کے آئی وہاں سے گھر میرے

تھی جو فرصت نہ اشک باری سے — اتری روتی ہوئی سواری سے
پھر لپٹ کر مرے گلے اک بار — حال کرنے لگی وہ یوں اظہار
اقربا میرے ہو گئے آگاہ — تم سے ملنے کی اب نہیں کوئی راہ
مشورے ہو رہے ہیں آپس میں — بھیجتے ہیں مجھے بنارس میں

جائے عبرت سرائے فانی ہے — مورد مرگ نوجوانی ہے

○

دُنیا کی بے ثباتی اور آخری وصیّت

اونچے اونچے مکان تھے جن کے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے — آج دیکھا تو خار بالکل تھے
جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم — آج اس جا ہے آشیانۂ بوم
بات کل کی ہے نوجواں تھے جو — صاحب نوبت و نشاں تھے جو
آج خود ہیں، نہ ہے مکاں باقی — نام کو بھی نہیں نشاں باقی
عبرتِ حور مہ جبیں نہ رہے — ہیں مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے
جو کہ تھے بادشاہِ ہفت اقلیم — ہوئے جا جا کے زیرِ خاک مقیم
کوئی لیتا بھی اب نہیں ہے نام — کون سی گور میں گیا بہرام
اب نہ رستم، نہ سام باقی ہے — اک فقط نام ہی نام باقی ہے

تھے جو خود سر جہان میں مشہور
خاک میں مل گیا سب ان کا غرور
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے

○

رشکِ یوسف جو تھے جہاں حسیں
کھا گئے ان کو آسمان و زمیں
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے
یہی دنیا کا کارخانہ ہے
ہے نہ شیریں نہ کوہ کن کا پتا
نہ کسی جا ہے نل دامن کا پتا
بوئے الفت تمام پھیلی ہے
باقی اب قیس ہے نہ لیلیٰ ہے
صبح کو طائرانِ خوش الحان
پڑھتے ہیں کل من علیہا فان
موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

○

ہم بھی گر جان دے دیں کھا کر قسم
تم نہ رونا ہمارے سر کی قسم
دل کو ہم جولیوں میں بہلانا
یا مری قبر پر چلے آنا
جا کے رہنا نہ اس مکان سے دور
ہم جو مر جائیں تیری جان سے دور
روح بھٹکے گی گر نہ پائے گی
ڈھونڈھنے کس طرف کو جائے گی

○

میرے مرنے کی جب خبر پانا
یوں نہ دوڑے ہوئے چلے آنا
جمع ہو لیں سب اقربا جس دم
رکھنا اس وقت تم وہاں پہ قدم
کہے دیتی ہوں جی نہ کھونا تم
ساتھ تابوت کے نہ رونا تم
ہو گئے تم اگر جسے سودائی
دور پہونچے گی میری رسوائی

لاکھ تم کچھ کہو نہ مانیں گے
لوگ عاشق ہمارا جانیں گے

طعنہ زن ہوں گے سب غریب و امیر
قبر پر بیٹھ جانا ہو کے فقیر

سامنا ہو ہزار آفت کا
پاس رکھنا ہماری عزت کا

جب جنازہ مرا عزیز اٹھائیں
آپ لپٹیں وہاں نہ اشک بہائیں

میری منت پہ دھیان رکھئے گا
بند اپنی زبان رکھئے گا

تذکرہ کچھ نہ کیجئے گا مرا
نام منہ سے نہ لیجئے گا میرا

اشک آنکھوں سے مت بہائیے گا
ساتھ غیروں کی طرح جائیے گا

آپ کاندھا نہ دیجئے گا مجھے
سب میں رسوا نہ کیجئے گا مجھے

رنگ دل کے بدل نہ جائیں کہیں
منہ سے نالے نکل نہ جائیں کہیں

ساتھ چلنا نہ سر کے بال کھلے
تا کسی شخص پر نہ حال کھلے

ہوتے آفت کے ہیں یہ پر کالے
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے

ہو بیاں گر کسی جگہ مرا حال
تم نہ کرنا کچھ اس طرف کو خیال

○

رنجِ فرقت مرا اٹھا لینا
جی کسی اور جا لگا لینا

رنج کرنا مرا نہ میں قرباں
سن لو گر اپنی جان ہے تو جہاں

دے نہ اسکو خدا کبھی کوئی درد
ہوتا نازک کمال ہے دلِ مرد

○

آکے رو لینا میری قبر کے پاس
تا نکل جائے تیرے دل کی بھڑاس

آنسو چپکے سے دو بہا لینا
قبر میری گلے لگا لینا

اگر آجائے کچھ طبیعت پر
پڑھنا قرآن میری تربت پر

غنچۂ دل مرا کھلا جانا
پھول تربت پہ دو چڑھا جانا

دو کے کرنا نہ اپنا حال زبوں
یوں نہ ہو جائے دشمنوں کو جنوں

دیکھئے کس طرح پڑے گی کل
سخت ہوتی ہے منزل اول

○

ہے یہ حاصل سب اتنی باتوں سے
مٹی دینا تم اپنے ہاتھوں سے

عمر بھر کون کس کو روتا ہے
کون صاحب کسی کا ہوتا ہے

کبھی آجائے گر تمہارا دھیان
جانتا ہم پہ ہو گئی قربان

○

پھر ملاقات دیکھیں ہو کہ نہ ہو
آج دل کھول کے گلے مل لو

خوب سا آج دیکھ بھال لو تم
دل کی سب حسرتیں نکال لو تم

آؤ اچھی طرح سے کر لو پیار
کہ نکل جائے کچھ تو دل کا بخار

دل میں باقی رہے نہ کچھ ارمان
خوب مل لو گلے سے میں قرباں

حشر تک ہو گی پھر یہ بات کہاں
ہم کہاں، تم کہاں، یہ رات کہاں

○

دل کو اپنے کرو ملول نہیں
رونے دھونے سے کچھ حصول نہیں

ہم کو گاڑے جو اپنے دل کو کڑھائے
ہم کو ہے ہے کرے جو اشک بہائے

باہیں دونوں گلے میں ڈال لو آج　　جو جو ارمان ہوں نکال لو آج

○

کس کو کل بیٹھ کر کرو گے پیار　　کس کی لو گے بلائیں تم ہر بار
کل گلے سے کسے لگاؤ گے　　یوں کسے گود میں بٹھاؤ گے
حال کس کا سنائے گی آ کر　　کس کی ماما بلائے گی آ کر

یاد اتنی تجھے دلاتے جائیں　　پان کل کے لئے لگاتے جائیں

○

دیکھ لو آج ہم کو جی بھر کے　　کوئی آتا نہیں ہے پھر مر کر
ختم ہوتی ہے زندگانی آج　　خاک میں ملتی ہے جوانی آج

○

سمجھو اس کو شب برات کی رات　　ہم ہیں مہماں تمہارے رات کی رات

○

پھل اٹھایا نہ زندگانی کا　　نہ ملا کچھ مزا جوانی کا
دل میں لے کر تمہاری یاد چلے　　باغ عالم سے نامراد چلے

○

جب تلک چرخ بے مدار رہے　　"یہ فسانہ بھی یادگار رہے"

بولی گھبرا کے پھر: ٹھہر مری جان
کچھ سنا بھی کہ کیا بجا اس آن

حسرتِ دل نگوڑی باقی ہے
اور یہاں رات تھوڑی باقی ہے

گود میں اپنی پھر بٹھا لو جان
پھر گلے سے ہمیں لگا لو جان

ڈال دو پھر گلے میں ہاتھوں کو
پھر گلوری چبا کے منہ میں دو

پھر کہاں ہم کہاں یہ صحبت یار
کر لو پھر ہم کو بھینچ بھینچ کے پیار

پھر مرے سر پہ رکھ دو سر اپنا
گال پر گال رکھ دو پھر اپنا

پھر اسی طرح منہ کو منہ سے ملو
پھر وہی باتیں پیار کی کر لو

لہر پھر چڑھ رہی ہے کالوں کی
بو سنگھا دو تم اپنے بالوں کی

پھر ہم اٹھنے لگیں بٹھا لو تم
پھر بگڑ جائیں ہم منا لو تم

پھر لبوں کو چبا کے بات کرو
پھر ذرا مسکرا کے بات کرو

پھر بلائیں تمہاری یار لیں ہم
آؤ پھر سر سے سر اتار لیں ہم

ورنہ اس طرح سے تو زار و قطار
دشمنوں کو کہیں چڑھے نہ بخار

○

اب تو کیوں ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے
کیوں مرے دل کے ٹکڑے کرتا ہے

میں ابھی تو نہیں گئی ہوں مر
کیوں سجائی ہیں آنکھیں رو رو کر

○

کہو نہ رو رو کے اپنا حال زبوں
ارے ظالم ابھی تو جیتی ہوں

ایسے قصے ہزار ہوتے ہیں
یوں کہیں مردے بھی روتے ہیں

تم تو اتنے میں ہو گئے رنجور — تھک گئے اور ابھی ہے منزل دور
اسی غم نے تو مجھ کو مارا ہے — صدمہ تیرا نہیں گوارا ہے

جان ہم نے تو اس طرح کھوئی — کون تیری کرے گا دل جوئی؟

کون روکے گا اس طبیعت کو — کس سے کہہ جاؤں اس نصیحت کو

میں کہاں ہوں جو ساتھ دوں تیرا — ہاتھ میں کس کے ہاتھ دوں تیرا

پر میں اب اس کو کیا کروں کم بخت — آسماں دور ہے زمیں ہے سخت
گو کہ عقبیٰ میں رو سیاہ چلی — مگر اپنی سی میں نباہ چلی
جی کو تم پر فدا کیا میں نے — حق وفا کا ادا کیا میں نے
بولی پھر زانوؤں پہ مار کے ہاتھ — "نہیں معلوم اب ہے کتنی رات"
جو جو گھڑیال واں بجاتا ہے — جی مرا سنسنایا جاتا ہے
یوں تو کوئی نہ درد و غم میں گھرے — پھولے جاتے ہیں ہاتھ پاؤں مرے

گو تو بیٹھا ہوا ہے پاس مرے — پر ٹھکانے نہیں حواس مرے

خاک تسکینِ جانِ زار کریں — اب وصیت کریں کہ پیار کریں

○

عاشق کا جواب

سُن کے میں نے دیا یہ اس کو جواب — میرے دل کو بس اب کرو نہ کباب

مجھ پہ یہ دن تو کبریا نہ کرے — تم مرو، میں جیوں، خدا نہ کرے
جان دے دو گی تم جو کھا کر سم — میں بھی مر جاؤں گا خدا کی قسم
جو یہ دیکھے گا خوب روئے گا — آگے پیچھے جنازہ ہوئے گا

دل ہی دل میں الم اٹھاتی ہو — جان دیتی ہو، زہر کھاتی ہو
پہنچا ماں باپ سے ہے الم — اس کا کرنا نہ چاہیئے کچھ غم
جو کہ ہوتے ہیں قوم کے اشراف — وہ یوں ہی کرتے ہیں قصور معاف
کچھ تمہیں پر نہیں ہے یہ افتاد — سب کے ماں باپ ہوتے ہیں جلاد
صدمہ ہر اک پہ یہ گزرتا ہے — زہر کھا کھا کے کوئی مرتا ہے
شکوہ ماں باپ کا تو ناحق ہے — ان کا اولاد پر بڑا حق ہے
ہوں جو ناراض یہ قیامت ہے — ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے
تم تو نام خدا سے ہو دانا — اس پہ رتبہ نہ ان کا پہچانا
کیا بھروسہ حیات کا ان کی — نہ برا مانو بات کا ان کی
ہوش رہتے نہیں ہیں اس سن کے — یہ تو مہمان ہیں کوئی دن کے
اتنی سی بات کا عبار ہے کیا — ان کے کہنے کا اعتبار ہے کیا
غور سے کیجئے جو دل میں خیال — اُن کا غصہ نہیں ہے جائے ملال

⁂

جوابِ معشوق کی طرف سے

کس کے اس نے دیا یہ مجھ کو جواب — ہم نے دیکھی نہیں ہے چشمِ عتاب
بے حیا ایسی زندگی کو سلام — منہ پہ آئے نہ تھے کبھی یہ کلام
طعنے سنتی ہوں دو مہینے سے — موت بہتر ہے ایسے جینے سے
خونِ دل کب تلک پیئے کوئی — بے حیا بن کے کیا جیے کوئی

پر مرے جیتے جی نہ بہر خدا — اپنے مرنے کا ذکر منھ پر لا

تم نے جی دینے کی جو کی تدبیر — حشر کے روز ہوں گی دامن گیر
تو سلامت جہاں میں رہ مری جان — نکلے ماں باپ کا ترے ارمان
واسطے میرے اپنا دل نہ کڑھا — چاند سی بہو گھر میں بیاہ کے لا

چار دن کے ہیں نالہ فریاد — عمر بھر کون کس کو کرتا ہے یاد
لطف دنیا کے جب اٹھاؤ گے — ہم کو دو دن میں بھول جاؤ گے

رخصتی ملاقات

تھا یہی ذکر جو بجا گھڑیال — سنتے ہی اس کے ہو گئی بے حال

ہو گیا فرطِ غم سے چہرہ زرد — دست و پا تھرتھرا کے ہو گئے سرد
مردنی رخ پہ چھا گئی اس کے — دل میں وحشت سما گئی اس کے

○

اتنے میں صبح کی بجی وردی — دونی چہرے کی ہو گئی زردی

○

بید کی طرح جسم تھرّایا — سر سے لے پاؤں تک عرق آیا
باتیں کرتی جو تھی وہ بھول گئی — دم لگا چڑھنے سانس پھول گئی
بولی گھبرا کے: "رہیو اسکے گواہ — اور کہا "لا الٰہ الا اللہ"
اب فقط یہ ہے خوں بہا میرا — بخش دیجئے کہا سنا میرا"
کہہ کے پھر یہ چمٹ گئی اک بار — اور کیا خوب بھینچ بھینچ کے پیار
سر سے لے کر بلائیں تا بہ قدم — بولی: "تم پر نثار ہوتے ہیں ہم

○

پھر یہ بولی وہ پونچھ کر آنسو — "میرے سر کی قسم نہ کڑھیو تو"
آزماتی تھی تجھ کو کستی تھی — میں ترے چھیڑنے کو ہنستی تھی
کہہ کے یہ بات ہو گئی وہ سوار — یاں بندھا آنسوؤں کا چشم سے تار

○

آتی تھی یاد جب وصیت یار — دہم لاتا تھا دل ہزار ہزار

○

ہر گھڑی تھا جو اضطراب فزوں
چپکا روتا تھا بیٹھا میں محزوں
کہ اٹھا ایک سمت سے وہ غل
ہوش جس سے کہ اڑ گئے بالکل

○

ہو گیا دل کو اس طرح کا ہراس
آئے سو سو طریق کے وسواس
کہا اک دوست سے کہ تم جا کر
جلد اس شور و غل کی لاؤ خبر

○

کیا اس طرح آ کے مجھ سے بیاں
کہ یہاں سے ہے اک قریب مکاں
باغ کے پاس جو بنا ہے گھر
واں فروکش تھا ایک سوداگر
یوں تو اک شور راہ بھر میں ہے
پر یہ آفت انھیں کے گھر میں ہے
صاف کھلتا نہیں ہے یہ اسرار
مر گیا کوئی یا کہ ہے بیمار

○

ہر بشر ہو رہا ہے دیوانہ
کوئی مرتا ہے صاحبِ خانہ

○

تھمتا اک دم بھی واں خروش نہیں
کس سے پوچھیں؟ کسی میں ہوش نہیں
روتے جس درد سے ہیں وہ اس دم
دیکھا جاتا نہیں خدا کی قسم
کہہ گئی تھی جو وہ کہ کھاؤں گی زہر
میں یہ سمجھا کہ ہو گیا وہی قہر

گو حیا سے نہ اس کا نام لیا — دونوں ہاتھوں سے دل کو تھام لیا
دوستوں نے جو دیکھی یہ صورت — بولے اس طرح از رہِ الفت
حالِ دل یوں تمہارا غیر تو ہے — مگر اس وقت کیا ہے؟ خیر تو ہے

○

کون سی آفت آگئی اس دم — مردنی منہ پہ چھا گئی اس دم
کیا ہے جو اتنے بے قرار ہو اب — کوئی مر جائے اس سے کیا مطلب

○

شہر میں روز لوگ مرتے ہیں — خفقان اس کا کوئی کرتے ہیں
سن کے ماں باپ کیا کہیں گے بتاؤ — ہوش پکڑو ذرا حواس میں آؤ
تم کو کیا ہے جو جان کھوتے ہو — بے سبب آپ ہی آپ روتے ہو

نہ دیا ان کو مارے غم کے جواب — ڈھانپ کر منہ کیا بہانۂ خواب

○

حالِ دل سینے میں ہوا جو تباہ — بیٹھا کمرے میں آن کر سرِ راہ
دیکھا برپا ہے اک حشر کا غل — بھیڑ سے بند راہ ہے بالکل
اس طرف سے جو لوگ آتے ہیں — یہی آپس میں کہتے جاتے ہیں
حال ان کا بھی جائے رقت ہے — داغ اولاد کا قیامت ہے
نوچ ڈالے ہیں سارے سر کے بال — کیا پریشاں ہے والدین کا حال
آفت تازہ سر پہ ہے آئی — ٹک ہے ہیں مستاں سودائی

○

جو کہ تھے اس میں صاحبِ اولاد
حال ابتر تھا ان کا حد سے زیاد

کہتے تھے کوٹ کر سر و سینا
کیوں نہ دشوار ان کو ہو جینا

مرگِ اولاد کا وہ ماتم ہے
رنج و غم جس قدر کریں کم ہے

کوئی کہتا تھا کیسی آفت ہے
نوجواں مرنا بھی قیامت ہے

○

کوئی بولا کہ ہے سبھی کو ملال
دیکھا جاتا نہیں ہے باپ کا حال

نہ کسی کو ہے صبر نے آرام
دیکھنے والے رو رہے ہیں تمام

معشوقہ کا جنازہ

پھوڑ ڈالے ہیں سب نے سر اپنے
سر و پا کی نہیں خبر اپنے

بنئے بقال جان کھوتے ہیں
سارے دوکان دار روتے ہیں

حال دیکھا جو میں نے یہ اٹھ کر
ہل گیا سینے میں دلِ مضطر

○

عشق کی جو تھی دل کو بیماری
غش کا عالم سا ہو گیا طاری

دو گھڑی بعد پھر جو آیا ہوش
دیکھا برپا عجب ہے جوش و خروش

آگے آگے ہے کچھ جلوس رواں
سر کھلے کچھ ہیں پیچھے پیر و جواں

سن رسیدہ ہیں عورتیں کچھ ساتھ
سینہ و سر پہ مارتی ہیں ہاتھ

کوئی نانا ہے، کوئی دادی ہے
کوئی اماں، کوئی کھلائی ہے

جب وہ بھرتے ہیں غم سے آہیں سرد
سننے والوں کے دل میں ہوتا ہے درد

ہوتا غیروں کو ہے ملال ان کا
دیکھا جاتا نہیں ہے حال ان کا

کچھ بیاں ایسے ہوتے جاتے ہیں
راستے والے روتے جاتے ہیں

اس کے پیچھے پڑی پھر اس پہ نگاہ
کہ نہ دیکھے بشر معاذ اللہ

شامیانہ نیا زری کا ہے
نیچے تابوت اس پری کا ہے

سہرا اس پر بندھا ہے اک زرتار
جیسے گلشن کی آخری ہو بہار

تھی پڑی اس پہ ایک چادر گل
جس سے خوشبو وہ راہ تھی بالکل

عود سوز آگے آگے روشن تھے
مر گئے پر بھی لاکھ جوبن تھے

بھیڑ تابوت کے تھی ایسی ساتھ
جیسے آئے کسی دلہن کی برات

سب وضیع و شریف تھے ہمراہ
بھیڑ تھی اس قدر کہ بند تھی راہ

ساتھ تھے خویش و اقربا سارے
رو رہے تھے غریب بیچارے

پیچھے پیچھے تھا سب کے سوداگر
مو پریشاں، اداس، خاک بسر

سب امیر و فقیر روتے تھے
دیکھ کر راہ گیر روتے تھے

سب کے پیچھے پنس میں تھی مادر
کہتی جاتی تھی اس طرح رو رو کر

تیری میت پہ ہو گئی میں نثار
کم سخن ہائے میری عزت دار

دل پہ جو گذری کچھ بیاں نہ کی
کچھ وصیت بھی میری جان نہ کی

کچھ نہیں ماں کی اب خبر تم کو
کس کی یہ کھا گئی نظر تم کو

دل ضعیفی میں مرا توڑ گئیں
بیٹا اس ماں کو کس پہ چھوڑ گئیں

تازہ پیدا جگر کا داغ ہوا
گھر مرا آج بے چراغ ہوا

دل کو ہاتھوں سے کوئی ملتا ہے
جی سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے

زہر دے دے کوئی میں کھا جاؤں
یا زمیں شق ہو میں سما جاؤں

داغ تیرا جگر جلاتا ہے
چاند سا مکھڑا یاد آتا ہے

مٹ گیا لطف زندگانی کا
دل کو غم ہے تری جوانی کا

بیاہ تیرا رچانے پائی نہ میں
کوئی منت بڑھانے پائی نہ میں

تیری صورت کے ہو گئی قربان
چلیں دنیا سے کیسی پُر ارمان

ہو میں کس بات پر خفا بولو
ماں واری ذرا جواب تو دو

بولتیں تم نہیں پکارے سے
اب جیوں گی میں کس سہارے سے

کیا قضا نے جگر پہ داغ دیا
آج گھر میرا بے چراغ کیا

نکلا ماں باپ کا نہ کچھ ارمان
ہائے بیٹا نہ تم چڑھیں پروان

ایسی اس ماں سے ہو گئیں بیزار
لی نہ خدمت بھی پڑ کے کچھ بیمار

نہ جیوں گی ترے فراق میں میں
دل تڑپتا ہے آنکھیں ڈھونڈتی ہیں

کس مصیبت میں پڑ گئی بیٹا
کوکھ میری اُجڑ گئی بیٹا

عمر کٹنی تھی ایسے صدمے میں
ٹھوکریں کھیں بدی بڑھاپے میں

سن کے اس طرح اس کی ماں کے بین
اور سینے میں دل ہوا بے چین

تھی مصیبت جو اس پری کی یاد
سب کے پیچھے میں ہو لیا ناشاد

○

"کہہ تڑپتا تھا صورتِ بسمل
بیٹھ جاتا تھا گاہ تھام کے دل

○

مرغِ بسمل کی میری صورت تھی
یاں گرا، واں گرا یہ حالت تھی

○

الغرض پہنچا ساتواں کے دہاں
دفن کا اس کے تھا مقام جہاں
قبر کھدتی جو واں نظر آئی
لاکھ روکا پہ چشم بھر آئی

○

طاقتِ ضبط گریہ جب نہ رہی
دل سے میں نے یہ اپنے بات کہی
کہہ کے کیا مر گئی وہ جان تجھے
کچھ وصیت کا بھی ہے دھیان تجھے
ہو نہ للہ بے قرار اتنا
ضبط کر غم کو ہو سکے جتنا
دل کو سمجھا کے یہ گیا میں وہاں
جمع سب ان کے اقربا تھے جہاں
دل آفت زدہ کو بہلا کر
چپکا بیٹھا میں اک طرف جا کر
اشک آنکھوں سے گو نہ بہتے تھے
لوگ پر دیکھ دیکھ کہتے تھے
حال چہرے کا آج کیا ہے
خیر تو ہے مزاج کیا ہے
لال آنکھیں ہیں تمتماتے ہیں گال
وجہ کیا ہے بیان تو کیجئے احوال
منہ پہ اک مردنی سی چھائی ہے
چہرے پہ چھٹ رہی ہوائی ہے

○

غل ہوا اتنے میں "سب آتے جائیں"
فاتحہ پڑھتے جائیں جاتے جائیں
سن کے یہ سب گئے وہاں احباب
بخشا پڑھ پڑھ کے فاتحے کا ثواب

جب کہ اس سے بھی ہو گئی فرصت
آئے جتنے تھے ہو گئے رخصت

پائی تنہا جو میں نے یار کی قبر
دل کو باقی رہی نہ طاقتِ صبر

تھا جو اس شمع رو کا دیوانہ
دوڑ کر آیا مثلِ پروانہ

گر پڑا آ کے قبر پر اک بار
اور رونے لگا میں زار و نزار

نہ رہا تھا جو اختیار میں دل
لوٹا تربت پہ صورتِ بسمل

دل عجب کچھ مزا اٹھاتا تھا
قبر پر اس کی گلے لگاتا تھا

○

دیکھا آنکھوں سے تھا جو ایسا قہر
کھا گیا میں بھی گھر میں آ کر زہر

دو پہر تک تو تے رہی جاری
بعد پھر اس کے غش ہوا طاری

تین دن تک رہی وہ بے ہوشی
ہو گئی جس سے خود فراموشی

○

خواب

عین غفلت میں پھر یہ دیکھا خواب
کہ یہ کہتی ہے وہ بہ چشمِ غاب

سن تو رے تو نے تو زہر کیوں کھایا
کچھ وصیت ابھی نہ پاس آیا

ہوئے خود رفتہ ایسے حد سے زیاد
دو ہی دن میں بھلا دی میری یاد

دل سے میرا بھلا دیا کہنا
ہاں یہی چاہیئے تھا کیا

کہہ کے یہ جب وہ ہو گئی روپوش
کھل گئی آنکھ گیا مجھے ہوش

زہر کا پھر نہ کچھ اثر پایا
اک تعجب سا مجھ کو لے آیا

آشنا دوست سب کا تھا یہ بیان
مُردے جی اٹھتے ہیں خدا کی شان

ہو گیا والدین کا یہ سرور
بڑھ گیا دل کا چین چشم کا نور

اقربا سُن کے سب ہوئے دل شاد
آ کے دینے لگے مبارک باد

حاصل اتنا تھا یہ کچھ کہانی سے
ہم رہے جتنے سخت جانی سے

عشق میں ہم نے یہ کمائی کی
دل دیا غم سے آشنائی کی

○

ختم شُد